WWW.PAKSOCIETY.COM
مکمل ناول
نایاب جیلانی
چاند رات
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

مکمل ناول

چاند رات

نایاب جیلانی

رات دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی۔ پارک میں اس وقت اکا دکا لوگ تھے۔ شام ڈھلتے ہی لوگ اپنے بچوں کو رلاتے دھلاتے، زبردستی کھینچ گھسیٹ کر لے گئے تھے۔ اس وقت گراؤنڈ میں بچوں کے کھیل کا مختلف سامان جگہ جگہ بکھرا پڑا تھا۔ کہیں بال، کہیں ہاکی، کہیں وکٹ اور کہیں بھالو، پلکین، گڑیا اور مختلف قسم کے کھلونے گرے ہوئے تھے۔ یہاں پہ چوری چکاری کا مسئلہ نہیں تھا۔ صبح تک بھی یہ سامان کوئی نہ اٹھاتا۔ رات سے پہلے عصر کے وقت بچے آتے تھے، کھیلتے کودتے ہنگامہ کرتے اور پھر اپنا سامان یہیں پھینک کر گھر چلے جاتے تھے۔ چیزوں کو اٹھا کر گھر لے جانے کا تکلف کبھی نہیں کرتے تھے۔

اور اس وقت جا بجا بکھری چیزوں کو دیکھ کر اسے اپنا بچپن اور لڑکپن یاد آرہا تھا۔ وہ بھی اسی پارک میں کھیلنے دادا کے ہمراہ آیا کرتی تھی۔ وہ سائیکلنگ کرتی اور میران فٹ بال کھیلتا تھا۔ کبھی کبھی اڑتی ہوئی بال گولی کی طرح اس کی سائیکل سے ٹکراتی تھی۔ تب وہ بھاں بھاں کرکے رونے لگتی۔ پھر دادا کتنی منتوں کے بعد اسے چپ کرواتے تھے۔ دو دو آئس کریم اور کون لے کر دیتے۔ تب کہیں جا کر اس کا بھونپو بند ہوتا تھا۔ آج وہ دادا کو سوچتے سوچتے کچھ اور بھی سوچ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں ہلکا سا اضطراب بھی نظر آتا تھا، سر نے کہا تھا وہ نوٹس خود بخود دے جائیں گے، وہ پریشان نہ ہو، اور پارک میں ہی انتظار کرے کیوں کہ وہ جلدی میں تھے۔ اور تب سے لے کر اب تک وہ سر جواد کا انتظار کر رہی تھی۔ نوٹس تو گھر پر بھی دے سکتے تھے، لیکن کیا پتا وہ زیادہ جلدی میں ہوں۔ اس نے سوچا تھا وہ خود جا کر اکیڈمی سے لے آتی ہے، کیوں کہ نوٹس ملتے تو وہ ٹیسٹ کی تیاری کرتی۔ گو کہ اس وقت شام کے گہرے سائے، رات میں ادغام کر رہے تھے اور اسٹریٹ لائٹس بھی روشن تھیں۔ کالونی کی سڑکیں کافی حد تک سنسان ہو چکی تھی۔ وہ کچھ سوچ کر گھر جانے کی بجائے اس سڑک کی طرف مڑ گئی تھی۔ جو اکیڈمی کی طرف جاتی تھی۔ صرف چند فرلانگ پہ اکیڈمی کی چھوٹی سی عمارت تھی۔ سب ایک ہال اور ایک چھوٹے سے آفس پہ مشتمل۔ اس وقت باہر کوئی سائیکل بائیک یا کوئی چھوٹی موٹی کار دکھائی نہیں دے رہی تھی جس کا مطلب تھا۔ سب بچے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ البتہ چھوٹے سے آفس کی لائٹس روشن تھیں۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی مین دوڑ تک پہنچ گئی تھی اور ابھی اس نے ہینڈل پہ دباؤ ڈالنا چاہا ہی تھا، جب اندر سے آتی آوازوں پہ ٹھٹک کر رک گئی تھی اور اگر وہ نوٹس لینے یہاں نہ آئی ہوتی تو ...؟ چند لمحوں بعد اندھا دھند گھر کی طرف جاتے ہوئے وہ بے ساختہ گھٹی گھٹی چیخوں کو دباتی سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

باہر سرمئی شام پھیل رہی تھی۔ اس کا نقطہ ارتکاز سامنے موجود کلرڈ شیشوں والی کھڑکی تھی، جس کی اونچائی پہ سلور ڈائل والی گھڑی لٹک رہی تھی۔ اس وقت رات کے نو بج رہے تھے۔ گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ اس کا دل بھی ٹک ٹک کرتا، خوف کے مارے دبک رہا تھا۔ وہ شدید تفکر اور گھبراہٹ کا شکار تھی۔

"میرا ابھی نہیں آیا...؟" اس کی آنکھوں میں

"فکر" کا سایہ ہلکورے لے رہا تھا کیوں کہ "میر" کبھی بھی بلاوجہ گھر سے باہر نہیں رہتا تھا جب سے وہ جاب میں گیا تھا عموماً" وقت سے گھر آجاتا تھا لیکن اب حالات کچھ اور ہی تھے۔ نہ "میر" پہلے والا میر تھا' نہ حالات پہلے والے حالات تھے۔ وہ چھ بجے ٹیوشن پڑھ کے سامنے والے فلیٹ سے اپنے فلیٹ میں آگئی تھی۔ اور تب سے لے کر اب تک گھڑی پر نگاہ جمائے بیٹھی تھی' لیکن وقت نے اپنی چال بدل لی۔ پہلے سوئی آگے نہیں بڑھ رہی تھی اور اب آگے پیچھے بھاگ رہی تھی یوں کہ نو سے دس بجتے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

زوفی نے پہلے سوچا وہ دوبارہ سامنے والی نائلہ آنٹی کے فلیٹ میں چلی جائے۔ نائلہ آنٹی پچھلے کئی سالوں سے سامنے والے فلیٹ میں رہائش پذیر تھی۔ اس کمپاؤنڈ میں آمنے سامنے دونوں فلیٹ زوفی کے دادا حشمت کریم کی ملکیت تھے۔

کافی سال پہلے سامنے والا فلیٹ دادا نے کرائے پر چڑھا دیا تھا۔ تب نائلہ اپنے عمر رسیدہ شوہر کے ساتھ کسی دوسرے شہر سے مائیگریٹ ہو کر آئی تھی۔ اس کا بڈھا شوہر دادا کا ہم عمر تھا' پھر جلد ہی چل بسا۔ تب نائلہ نو عمر چھوٹی سی لڑکی تھی۔ بعد میں نائلہ نے شوہر کے بینک بیلنس کو بروئے کار لاتے ہوئے اعلا تعلیم حاصل کی اور پھر بہترین جاب بھی مل گئی۔

تب سے لے کر اب تک نائلہ یہیں تھی۔ وہ تینتیس سالہ انتہائی ینگ' اسمارٹ اور طرح دار عورت تھی۔ میرڈ تو لگتی ہی نہیں تھی۔ پھر اس کا اخلاق' بول چال' کردار' شائستگی اور سب سے بڑھ کر زوفی کی فیملی سے اٹیچ منٹ اپنی مثال آپ تھی۔

نائلہ نے ان کی فیملی کو ہر کرائسس میں سپورٹ کیا تھا۔ دادا بھی نائلہ کو بہت عزت اور مان دیتے تھے۔ دادا نے نائلہ کو بیٹی بنا رکھا تھا اس لیے نائلہ کی ان کے گھر آمد و رفت ایسے ہی تھی جیسے وہ اسی گھر کا فرد ہو' ہر مشورہ ہر رائے میں ہمیشہ نائلہ کو دادا بہت اہمیت دیتے تھے۔ کیوں کہ دادا کو نائلہ میں بہت زیرکی اور سمجھ بوجھ نظر آتی تھی۔

لیکن جب دادا کا اچانک انتقال ہوا تب نائلہ یہاں نہیں تھی۔ وہ آفس ورک کے لیے دبئی گئی ہوئی تھی۔ اس کا چار ماہ دس دن کا ٹور تھا اور اس دوران دادا کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہ چار ماہ زوفی نے تڑپتے' روتے اور اکیلے ہی دادا کے سوگ میں گزارے تھے۔ کیوں کہ دادا کا اکلوتا پوتا میران دادا کو دفنانے کے بعد ایسا مصروف ہوا تھا کہ اسے گھر میں موجود دادا کی لاڈلی' ڈرپوک چھوٹی سی پوتی تک بھول گئی تھی۔

میران یعنی زوفی کا میران دنوں اپنی نئی نئی جاب میں بہت بزی تھا۔ اس کی پوسٹنگ ان دنوں گجرانوالہ میں تھی۔ وہ صبح نکلتا اور رات گئے واپس آتا تھا۔

زوفی صبح تو اسکول چلی جاتی تھی۔ واپس آتی تو کبھی سو جاتی اور کبھی بدلتے حالات' بدلتے رستوں پہ خوف کے مارے رونے لگتی یا پریشانی کے عالم میں چکر لگا لگا کر اپنی ٹانگوں کو تھکاتی رہتی تھی۔ پھر جب نائلہ دبئی سے واپس آئی تب زوفی کی تنہائی خود بخود ختم ہو گئی تھی لیکن دادا کی جدائی والا خلا بھرتا نہیں تھا۔ نائلہ کو بھی دادا کی ناگہانی موت کا بہت دکھ تھا لیکن چونکہ ان کا وقت پورا ہو چکا تھا اس لیے کوئی کیا کر سکتا تھا۔

نائلہ کے ہی ہمت دلانے' حوصلہ دینے اور پیار کرنے سے زوفی میں ہلکی پھلکی سی جینے کی امنگ پیدا ہوئی تھی ورنہ وہ تو دادا کے بعد اپنی زندگی سے بے زار ہو چکی تھی۔ اس کا دل تو اسکول کے لیے بھی نہیں مانتا تھا لیکن یہ نائلہ کی کوشش اور ہمت کی بدولت تھا جو زوفی نے دوبارہ اسکول جانا شروع کر دیا تھا۔ اسکول کے بعد وہ گھر میں اکیلی ہوتی تھی' نائلہ پانچ بجے کے قریب آتی اور نائلہ کے ہی مجبور کرنے پہ زوفی کتابیں لے کر اس سے ٹیوشن لینے چلی جاتی۔ یوں اس کا دل بھی بہل جاتا تھا اور میر کے آنے تک کا وقت بھی گزر جاتا تھا۔

اور ابھی وہ لاؤنج میں بیٹھی گھڑی پہ نگاہیں جمائے نائلہ کی کچھ دیر پہلے والی باتوں کو سوچ رہی تھی جب وہ بڑے متفکر انداز میں اسے سمجھا رہی تھی۔

"زوفی! تم تو بہت چھوٹی اور ناسمجھ ہو۔ کم عمر اور نادان ہو۔ تمہارے دادا چلے گئے۔ جانے سے پہلے وہ تمہارے لیے کوئی فیصلہ کر جاتے۔" نائلہ کا انداز خاصا متفکر تھا۔ زوفی اپنی معصوم بڑی بڑی غلافی آنکھوں سے ٹکر ٹکر نائلہ کو دیکھتی رہی۔ وہ اس کی بات کا مفہوم سمجھنا چاہتی تھی لیکن اس میں اتنی سمجھ بوجھ نہیں تھی۔ وہ بس نائلہ کے خوب صورت چہرے کو ہی دیکھتی رہی۔ وہ نائلہ سے بہت متاثر رہا کرتی تھی۔ نائلہ کا حسن' ادائیں' دلکشی۔۔۔ ایک خاص انداز مقناطیسی کشش مقابل کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ وہ کہیں سے بھی "آنٹی" کہلوانے کے لائق نہیں تھی۔

چونکہ نائلہ جب یہاں آئی تھی تب زوفی بہت چھوٹی تھی سو اس نے نائلہ کو آنٹی کہنا شروع کیا تو نائلہ نے بھی روکا نہیں۔ اور اب تو یہ عادت بہت پختہ ہو چکی تھی۔ اور اس وقت زوفی کیمسٹری کی کتاب کھولے بڑی حیرت سے نائلہ کو دیکھ رہی تھی۔ نائلہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلانا شروع کر دیا تھا۔

"زوفی! میں تمہارے لیے بہت فکر مند ہوں۔" نائلہ کی آواز میں گہری سوچ کا عکس تھا۔ زوفی پریشان ہو گئی جیسے نائلہ کا تفکر اس کے لیے باعث تکلیف تھا۔ بھلا اتنی اچھی نائلہ آنٹی کیوں اس کے لیے متفکر تھیں؟ جسے متفکر ہونا چاہیے تھا۔ اسے تو پروا نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو دادا کے بعد بجائے اسے جذباتی سہارا دیتا اور بھی مگن' بے نیاز اور اجنبی ہو گیا تھا۔ اور زوفی کے لیے دادا کی جدائی کے بعد میران کا اجنبی رویہ دوسرا جذباتی دھچکا تھا۔

"تمہارے اکیلے پن کا سوچتی ہوں تو دل بہت گھبراتا ہے۔ تمہارے دادا ایسے سوجھ بوجھ والے تھے۔ انہوں نے تمہیں کسی محفوظ ٹھکانے پہ کیوں نہیں پہنچایا۔" نائلہ کا انداز خود کلامی سا تھا زوفی کا دل دھک سے رہ گیا۔

"محفوظ ٹھکانہ؟" تو کیا زوفی کا ٹھکانہ محفوظ نہیں تھا؟ اگر یہ ٹھکانہ محفوظ نہیں تھا تو پھر کہیں اور جائے پناہ یا امان تھی؟ اگر اپنے مکان اپنے گھر ہی محفوظ نہیں تھے تو پھر باہر کہیں تحفظ تھا؟ وہ متوحش سی نائلہ کو دیکھتی رہ گئی۔ جو کسی غیر مرئی نکتے پر نگاہ جمائے' کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"زوفی! تم تو بہت چھوٹی ہو۔ ابھی ٹینتھ کلاس میں پروموٹ ہوئی ہو۔ تمہارے دادا چل بسے۔ اب تم اکیلی ہو مطلب اپنے گھر میں بالکل تنہا ہو۔ گو کہ تم بہت چھوٹی ہو۔ لیکن بالغ اور باشعور ہو۔ اتنا تو سمجھتی ہو نا کہ تمہارا اکیلا رہنا بہت غیر مناسب ہے۔" نائلہ اس کا ملائم مکھن سا ہاتھ سہلاتی نرمی سے سمجھا رہی تھی اور زوفی جیسے متعجب اور حیران رہ گئی تھی۔

وہ اکیلی یا تنہا کیسے تھی؟ میران تھا تو۔۔۔ گو کہ صبح کا گیا رات کو واپس آتا تھا لیکن وہ رات کو آتو جاتا تھا۔

"تو پھر؟" کافی دیر بعد زوفی کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا اتنی سی کوشش میں ہی اس کا حلق سوکھ گیا تھا اور زبان تالوے چپکنے لگی تھی۔

"پھر زندگی کی تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنا بہت ضروری

ہے۔" نائلہ دھیمی آواز میں کہتی جا رہی تھی۔

"ایک عرصہ تم لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے تم لوگوں سے انسیت ہو گئی ہے۔ میں یہی چاہتی ہوں۔ تم کسی بڑی مصیبت میں مت پھنسو۔" نائلہ کا انداز ناصحانہ تھا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں آنٹی!" وہ رو دینے کو ہو چکی تھی۔ بس لمحہ ہی لگتا اور آنسو چھلک پڑے۔

"تم۔۔۔" نائلہ لمحہ بھر کے لیے سوچ میں ڈوب گئی۔

"میران سے کہو تمہیں کسی رشتے دار کے گھر چھوڑ دے۔ تمہارا اکیلا رہنا بالکل ٹھیک نہیں۔ دیکھو آگ تیل کا کوئی جوڑ نہیں ہوتا۔ انسان جتنا بھی شریف ہو۔ اسے حیوان بنتے دیر نہیں لگتی۔ لمحوں میں سالوں کی تپسیا بے کار چلی جاتی ہے۔" نائلہ اب کھل کے اس موضوع کو ڈسکس کر رہی تھی۔ یوں کہ زوفی کا سانس تک رک گیا تھا۔ حواس سلب ہونے لگے تھے۔ اسے لمحوں میں میران کوئی جنگلی درندہ یا حیوان صفت انسان لگنے لگا تھا۔

"ہم۔۔۔ ہمارا تو کوئی رشتے دار نہیں۔ جو تھے وہ بہت دور پار کے۔ بس دادا کے علاوہ تو کوئی نہیں ہے۔۔۔" زوفی کی غلافی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو اتر آئے تھے۔ نائلہ لمحہ بھر کے لیے پھر سے سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

"اچھا۔۔۔؟ پھر یہ آپشن تو ریجیکٹ ہوا۔" نائلہ نے زیر لب بڑبڑا کر کہا۔

"ایک اور آئیڈیا بھی موجود ہے۔" کچھ دیر بعد نائلہ پھر سے پرجوش ہو گئی تھی۔ زوفی خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ "کیا؟"

"تم کسی ہاسٹل میں شفٹ ہو جاؤ۔" نائلہ نے چٹکی بجا کر جیسے بڑے کام کا آئیڈیا سوچا تھا۔ زوفی کے بھی کچھ کچھ دل کو لگا۔ وہ جیسے سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ اور تب کی سوچوں میں گھری زوفی ابھی تک ایک ہی زاویے پہ بیٹھی ایک ہی نکتے پہ نگاہیں جما کے ایک ہی بات کو بار بار سوچ رہی تھی۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا۔"

☆ ☆ ☆

حشمت کریم کے صرف دو ہی بیٹے تھے۔ بیٹی تھی نہیں۔ محکمہ زراعت میں حشمت کریم اعلا عہدے پر فائز تھے۔ پراپرٹی کے نام پر یہ دو کافی کھلے، وسیع اور کشادہ فلیٹ تھے۔

انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کے لیے اچھے وقتوں میں بنوائے تھے لیکن بدقسمتی سے ان کے دونوں بیٹوں کو رہنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ ایک فضائی حادثے کا شکار یہ خاندان ایک وقت میں لوگوں کے ترحم کا شکار ہو گیا تھا۔ دونوں کی بس ایک ایک اولاد تھی۔ جو اپنے ماں باپ سے محروم دادا کے مہربان سائے تلے، پلے اور بڑے ہوئے تھے۔ دادا نے کبھی بھی ان دونوں کو کسی محرومی کا شکار ہونے نہیں دیا تھا۔

میران اور زوفی دونوں ان کی زندگی کا سرمایہ تھے۔ ان دونوں میں دادا کی جان بند تھی۔ میران بڑا تھا۔ سنجیدہ سرد اور کچھ کچھ اکھڑ سا۔۔۔ وہ زوفی سے کم ہی بے تکلف ہوتا تھا کیوں کہ ایج ڈیفرنس کے ساتھ ساتھ دونوں کے مزاج بھی بہت الگ اور مختلف تھے۔

گو کہ زوفی بھی چلبلی ٹائپ نہیں تھی پھر بھی جب تک دادا زندہ رہے۔ گھر میں رونق کا احساس ہوتا تھا۔ زوفی اور دادا کبھی لڈو کھیل رہے ہوتے۔ کبھی شطرنج کبھی کارڈ۔ میران ان کی گیمز میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ وہ دونوں دادا پوتی خود ہی رونق لگائے رکھتے تھے۔ اور خوب ہی ہنگامہ بپا رہتا۔

دادا نے زوفی کو جلدی کوکنگ بھی سکھا دی تھی۔ تھوڑا بہت سینا پرونا بھی جان گئی تھی اور پھر دادا یہ بھی چاہتے تھے اس کی شادی جلدی کر دیں اور زوفی اپنی شادی کے نام پر ایک ہنگامہ بپا کر دیتی تھی لیکن شاید دادا کو اپنی موت کی آہٹیں سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ زوفی کو اپنی زندگی میں ہی گھر بار کا ہوتا دیکھنا چاہتے تھے اور اس ضمن میں دادا نے۔۔۔

اور وہ سوچوں میں ڈوبی بہت دور ماضی تک کا سفر کرنا چاہتی تھی۔ وہ ماضی جو ابھی چار ماہ پہلے ماضی نہیں تھا لیکن اب ماضی کا حصہ لگنے لگا تھا۔

زوفی دادا کی تصویر کو دیکھتی اچانک چونک گئی تھی۔

گھڑی نے گیارہ کے ہندسے کو کراس کیا اور تب ہی فلیٹ کے دروازے پہ کھٹ پٹ ہوئی تھی چونکہ میران اپنے پاس چابی رکھتا تھا اس لیے زوفی کو اٹھ کر دروازہ کھولنے کا تردد نہیں کرنا پڑا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد میران اپنی ہی جون میں اندر آتا دکھائی دیا تھا۔ اس کی ٹائی گلے میں جھول رہی تھی۔ کندھے پہ کوٹ لٹک رہا تھا۔ ہاتھ میں لیپ ٹاپ بیگ تھا اور وہ جمائی روکتا تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جاتا لمحہ بھر کے لیے رک گیا۔ سامنے کارپٹ پہ زوفی گھٹنوں میں منہ دیے بیٹھی تھی۔ اور اس کا ہولے ہولے کانپتا وجود بتا رہا تھا جیسے وہ رو رہی ہے۔ یا رونا دبانے کی کوشش کر رہی ہے۔

اندر بڑھتا میران ٹھٹک گیا تھا۔ پھر وہ اپنے کمرے کی طرف جا ہی نہیں سکا تھا۔ زوفی کی طرف آتا وہ کچھ دیر کے لیے اعداد و شمار میں گم ہوا۔ آج پندرہ دن بعد وہ نہ صرف زوفی کو دیکھ رہا تھا بلکہ بات کرنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ اسے اپنی کوتاہی پہ کچھ افسوس ہوا۔ وہ اتنا لاپروا ہرگز نہیں تھا، نہ وہ زوفی سے بے نیاز تھا۔ بس نئی نئی جاب نے اسے خاصا گھن چکر بنا رکھا تھا۔ صبح وہ زوفی کے اٹھنے سے پہلے ہی نکل جاتا تھا اور رات کو جب وہ سو جاتی تب گھر آتا۔ ان دنوں سائٹ کا بہت کام تھا۔ دن بھر دھوپ سے جھلسنا پڑتا۔ ورکرز سے کھپائی۔ بھاگ دوڑ، کام کا لوڈ اور بے انت مصروفیت کی وجہ سے میران اپنے لیے بھی وقت نہیں نکال پا رہا تھا۔

یہ اور بات تھی کہ دادا کی دائمی جدائی کے بعد وہ اپنے گھر سے بے نیاز ہرگز نہیں تھا۔ زوفی کے کہے بغیر وہ ہر دو ہفتے بعد راشن ضرور لے آتا تھا۔ اتوار کے اتوار انڈے، جیم، بریڈ، پھل گوشت وغیرہ بھی آجاتا۔ کھانا زوفی ہی پکاتی تھی اور بلاشبہ بہت اچھا پکاتی تھی۔ گو کہ وہ اتنی عمر کے لحاظ سے بڑی نہیں تھی پھر بھی اس نے دادا کے بعد گھر کو احسن طریقے سے سنبھال لیا تھا۔ پہلے تو ہر چیز کی طرف دادا کا دھیان ہوتا تھا۔ صفائی ستھرائی کچن کی دیکھ بھال۔۔۔ ٹوٹی چیزوں کی مرمت، خراب مشینری کو ٹھیک کرواتا لیکن اب زوفی بہت نہ سہی، کچھ نہ کچھ گھر میں دلچسپی لینے لگی تھی ورنہ دادا

کے بعد تو صدمے اور غم کی کیفیت میں وہ ہر چیز سے لاتعلق ہو چکی تھی۔

پہلے ایک جز وقتی ملازمہ کام کے لیے آتی تھی، پھر بعد میں وہ اپنا علاقہ بدل گئی تو دادا کو کوئی اور پسند ہی نہ آئی۔ اب گھر کی ذمہ داری بھی زونی کے سر پہ تھی اور اس کا اسکولنگ سلسلہ؟ وہ بھی کسی قدر لاپروا ہو چکا تھا۔ زونی کے اسکول کا پوچھا ہی نہیں۔ جانے وہ ریگولر اسکول جا رہی تھی یا نہیں؟ جانے اس کی وین آ رہی تھی یا نہیں؟ وہ کافی حد تک خود کو ملامت کرتا کارپٹ پہ دو زانو ذرا جھک کر زونی کے قریب ہوا تھا اور اپنے ہی خیالوں میں کھوئی زونی، میران کو اپنے اتنا قریب پورے چار ماہ بعد دیکھ کر بدکتی ہوئی گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس کا انداز بڑا بے ساختہ اور ناقابل فہم قسم کا تھا۔ وہ شدید گھبراہٹ اور خوف کا شکار ہوئی تھی۔ چلو اس کی گھبراہٹ تو بنتی ہی تھی مگر یہ خوف۔۔۔؟

میران کچھ الجھا الجھا سا زونی کا چہرہ دیکھتا رہا کیا وہ ڈر رہی تھی؟ اکیلے پن سے؟ تنہائی سے؟ باہر خطرناک ہوتے موسم سے یا میران سے؟

وہ اپنی سنجیدہ نگاہیں زونی کے چہرے پہ جمائے بیٹھا تھا اور وہ مارے گھبراہٹ کے لاشعوری طور پر پیچھے کی طرف کھسکتی صوفے سے جا لگی تھی۔ مزید پیچھے جانے کی گنجائش نہیں تھی کیوں کہ پیچھے صوفہ رکھا ہوا تھا۔

"تم ٹھیک ہو زونی!" اس کی بھیگی، دھلی دھلی غلافی آنکھوں پہ اٹکے موتی بتا رہے تھے کہ وہ کافی دیر سے رو رہی تھی وہ خاصا متفکر ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میران سمجھ نہیں پا رہا تھا وہ زونی سے کس طرح دریافت کرے۔ زونی کو چپ کروانے کا پہلے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ یہ شعبہ دادا نے ہی سنبھال رکھا تھا۔ وہ ناراض ہوتی، لڑتی، خفا ہوتی، روتی تو دادا ہی اسے چپ کروا کر منانے کی کوشش کرتے تھے۔ آج سے پہلے زونی اس طرح روتی ہوئی میران کو دکھائی بھی نہیں دی تھی۔ بس دادا کی وفات کے وقت اور بعد میں۔۔۔ لیکن تب تو صورت حال کچھ اور تھی۔ اس نے جان سے پیارے دادا کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا اور اس وقت سکتی زونی خود بخود ایسے چپ ہوئی جیسے کسی نے بٹن دبا دیا ہو۔ اچانک میران کو دیکھ کر جیسے اسے میران کے اس وقت یہاں ہونے کی اور اس کے قریب بیٹھنے کی توقع نہیں تھی۔ اس کی غلافی آنکھیں بالکل ساکت تھیں۔ پتلیوں کا عکس ٹھہرا ہوا اور پلکیں یوں کھلی تھیں جیسے کبھی جنبش نہ لیں گی۔

"کیا دادا یاد آ رہے ہیں؟" میران نے اسے ساکت دیکھ کر خود ہی اندازہ لگایا تھا۔ تب زونی کا سر میکانکی انداز میں خود بخود ہل گیا۔ جیسے وہ سر اثبات میں ہلا کر اپنی جان چھڑوانا چاہتی تھی۔ تب گہرا سانس کھینچ کر میران نے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔ پھر آدھا گھنٹہ اسے نرمی اور ملامت سے سمجھاتا رہا۔ گو کہ وہ بہت تھکا ہوا تھا اور کھانا کھانے کے لیے بھی رکنا نہیں چاہتا تھا۔ بس بستر اور نیند کی ضرورت تھی پھر بھی وہ اپنے اتنے مہینوں کی لاپروائی اور کوتاہی کی کسر نکالنا چاہ رہا تھا۔ بہت دیر تک اسے دادا کی جدائی کے غم سے نکالنے کے لیے مختلف مثالیں دینے کے بعد وہ بڑی سنجیدگی اور روانی سے بولا۔

"بے شک دادا تمہیں بہت عزیز تھے اور وہ کبھی بھول بھی نہیں سکتے۔ لیکن فی الحال تم دادا کے لیے پریشان یا غم زدہ نہیں تھیں وجہ کچھ اور ہے۔ اب آرام سے وجہ بتا دو نہ میرا وقت ضائع کرو نہ اپنا۔۔۔" وہ اس قدر اچانک زونی کو گھیر لے گا اسے امید نہیں تھی۔ وہ لمحہ بھر میں ہی ہکا بکا رہ گئی نہ تو وہ اتنی باشعور تھی نہ جہاندیدہ اور نہ ہی کوئی باکمال اداکارہ۔۔۔ اسے اپنے تاثرات چھپانے نہیں آتے تھے۔ وہ جیسے گڑبڑا سی گئی تھی۔

"ہری اپ زونی! مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ یہ نہ ہو میں ادھر ہی ڈھیر ہو جاؤں۔" میران کے دھمکانے پہ وہ اس کی بات کو سچ سمجھتی اور بھی گھبرا گئی تھی۔ پھر اسی گھبراہٹ میں بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں بھاگتی ہو رکو تم۔" وہ اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا اور جس بے ساختگی میں زونی اٹھ کر جانے لگی تھی اسی بے ساختگی میں میران نے، شاید زندگی میں پہلی

مرتبہ اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ خود بھی حیران رہ گیا تھا۔ یہ وہی زونی تھی اس کی نگاہوں کے سامنے پلی بڑھی۔۔۔ روتی دھوتی نخرے دکھاتے۔ دادا کو ستاتی۔ دو پونیاں جھلا کر کالونی کی سڑکوں پہ بھاگتی دوڑتی۔۔۔ ضدیں کرتی۔ اٹھلاتی۔۔۔ لیکن پہلے کی زونی اور اب کی زونی میں کس قدر فرق تھا۔ یا شاید پہلے کی نگاہ اور اب دیکھنے والی نگاہ میں فرق تھا۔ پہلے کوئی اور نظر تھی۔ اب کوئی اور نظر تھی۔ پہلا وقت کچھ اور تھا اب کچھ اور وقت تھا۔ اس کا ملائم مکھن سا ہاتھ میران کے ہاتھ میں دب گیا۔ اتنی شدت کے ساتھ کہ زونی کو چھڑوانا بھی مشکل لگا اور میران کی اپنی کیفیت کس قدر عجیب اور ناقابل فہم قسم کی ہو رہی تھی۔ زونی کے خوب صورت دودھیا ہاتھ کی ساری نرماہٹ اور ملائمت میران کی انگلیوں میں اترنے لگی تھی۔ ایک ان جانا سا احساس دل میں گدازیت بھرتا اپنی جگہ بناتا اٹھا اور لمحوں میں دور دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ کیا یہ چار ماہ پہلے والی زونی تھی؟ لیکن چار ماہ پہلے تو کبھی وہ میران کو اس انداز میں اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ ہمیشہ دادا کے سامنے اسے ایک ناسمجھ، کچھ کچھ بدھو اور احمق بچی سمجھتا رہا تھا۔ لیکن وہ اس وقت میران کو پندرہ سالہ احمق بے عقل اور ناسمجھ بچی نہیں لگ رہی تھی۔

اس کے دیکھنے کا انداز بدلا تو جیسے زونی پوری کی پوری بدل گئی۔ یا اسے ہی "بدلاؤ" بڑی گہرائی سے دکھائی دے رہا تھا۔ اور یہ بدلاؤ اسے برا نہیں لگ رہا تھا بلکہ بڑا اچھوتا اور منفرد لگ رہا تھا۔ دل میں خواہشات ابھارتا زونی کا خوب صورت سراپا۔۔۔ دودھ چھلکاتا چہرہ، جو سرتاپا گلابوں میں ڈھلا لگتا تھا۔ غلافی آنکھیں، خوب صورت کٹاؤ دار ہونٹ، وہ اسے لمحوں میں بہت ہی بڑی بڑی سی لگی تھی اور بہت اپنی اپنی سی بھی لگی تھی۔ اس نے بمشکل ہی اپنی نظریں زونی کے حسین کچی کلیوں سے سراپے کی خوشبوؤں سے ہٹائی تھیں، لیکن زونی کا کسمساتا ہاتھ ابھی تک میران کے ہاتھ میں دبا تھا۔ جسے چھوڑنے کا فی الحال اس کا کوئی ارادہ تک نہیں تھا۔

ادھر زونی کی حالت ناقابل فہم سی ہو رہی تھی۔ وہ شدید خوف اور الجھن کا شکار تھی۔ یہ میران کو کیا ہو رہا تھا؟ میران ایسا تو نہیں تھا؟ اس نے زونی کی طرف کبھی غور سے دیکھا تک نہیں تھا۔ کبھی اس قابل ہی نہیں جانا تھا۔ کبھی بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ کبھی اک نگاہ التفات نہیں ڈالی تھی۔

اور اب کچھ نیا کیا تھا؟ کیوں تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟

اس کے دل میں خدشات کی لہریں اٹھنے لگی تھیں۔ وہموں کے اژدھے پھیل رہے تھے۔ خوف کا سایہ ابھر رہا تھا۔

کیا نائلہ کے وسوسے بے بنیاد نہیں تھے؟

کیا نائلہ ٹھیک تحفظات کا شکار تھی؟

کیا نائلہ ٹھیک کہہ رہی تھی؟

اسے میران کی آنکھوں کے رنگ وہ پہلے سے نہیں لگ رہے تھے۔ بہت بدلے بدلے تھے۔ زونی گھبراہٹ اور خوف کے مارے سپید پڑ رہی تھی اور اس کا کپکپاتا ہاتھ ابھی تک میران کے ہاتھ میں تھا۔

"بتاؤ زونی! تم پریشان کیوں ہو؟" میران نے مختصر سا درمیانی فاصلہ بھی سمیٹ دیا تھا۔ وہ اس کے انتہائی قریب کھڑا تھا۔ اتنا قریب کے اس کی گرم سانسیں زونی کے رخساروں سے ٹکرا رہی تھیں۔ اور زونی کی جیسے جان پہ بن آئی تھی۔

"میں ٹھیک ہو میر!" وہ بمشکل ہکلا کر جان چھڑوانے والے انداز میں بولی تھی۔ لیکن میر کی تسلی نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

"دیکھو زونی! اگر کچھ پرابلم ہے تو شیئر کرو۔ میں تمہارا اپنا ہوں۔ کوئی اجنبی نہیں۔ اب دادا کے بعد ہم دو ہی تو ہیں اور تو ہمارا کوئی بھی نہیں۔۔۔ تو ہمیں ایک دوسرے سے اپنی پرابلمز شیئر کرنا چاہئیں۔" میران نے ملائمت سے زونی کے کندھے پہ ہلکا سا دباؤ ڈال کر نیچے صوفے پہ بیٹھا دیا تھا اور وہ میکانکی انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر وہ خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔ ترچھے انداز

میں، ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔۔۔ بہت قریب۔۔۔ میران کا گھٹنا زونی کے گھٹنے سے مس ہو رہا تھا اور زونی کی جیسے روح تک کانپ رہی تھی۔ اسے نائلہ کے خدشات پھن پھیلاتے دکھائی دے رہے تھے۔

"تم مجھ سے ناراض ہوگی۔ میں پچھلے چار ماہ سے بہت لاتعلق رہا ہوں۔ لیکن یقین مانو۔۔۔ نئی جاب کی مصروفیت نے گھن چکر بنا رکھا تھا۔ لیکن میں تم سے بے نیاز ہرگز نہیں۔" میران کی وضاحتیں زونی کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں اور مارے اضطراب کے زونی اندر ہی اندر پیچ و تاب بھی کھا رہی تھی۔

"لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ تمہیں مجھ سے شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے زونی کی آنکھوں میں جھانک کر بڑی گہری سنجیدگی سے کہا تھا۔ زونی اور بھی بے چین ہو اٹھی تھی۔

"مجھے کوئی شکایت اب بھی نہیں۔" زونی کے منہ سے بے ساختہ پھسل پڑا۔ میران کچھ چونک گیا تھا۔

"لیکن شکایت تو ہونی چاہیے۔ آفٹر آل میں تمہارا۔۔۔" وہ کچھ بولتے بولتے رک سا گیا تھا۔ اور زونی نائلہ کے خدشے ظاہر کرتی کرتی تھم سی گئی تھی۔

"اینی وے۔۔۔ صبح ملاقات کرتے ہیں۔ باقی باتیں کل پہ اٹھا رکھو۔ کل میرا ریسٹ بھی ہوگا۔ ابھی میں سوتا ہوں۔ تم بھی آرام کرو۔ مجھے بھی سخت نیند آرہی ہے۔ اور ہاں سونے سے پہلے کچن کی لائٹس اور برنر وغیرہ چیک کرکے سونا۔ گڈ نائٹ مائی سویٹ اینڈ سائلنٹ بے بی!" میران لمحوں میں سارے "فسوں" کو سمیٹتا اپنا کوٹ، بیگ اور موبائل اٹھا کر اندر چلا گیا تھا جبکہ زونی کتنی ہی دیر تک اس کی پشت دیکھتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے گلاس ونڈو سے باہر کھلتی دھوپ کو بکھرتے دیکھا اور مسکرا دی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا نفیس سا کافی مگ لیے وہ کارڈلیس اٹھائی ایک مرتبہ پھر گلاس ونڈو میں آکھڑی ہوئی تھی۔ باہر پارک میں اس وقت ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی بھی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ دور دور تک سناٹا پھیل رہا تھا۔ اس نے کارڈلیس پہ ایک جانا پہچانا نمبر ملایا اور کارڈلیس کان سے لگالیا۔ کچھ دیر بعد کال پک کرلی گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بڑی نرمی اور حلاوت سے کہا۔

"کافی دن ہوئے۔۔۔ تم مجھے دستیاب نہیں ہو رہے تھے۔ آئی تھنک بہت بزی ہو۔ مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا تھا۔" حال احوال پوچھنے کے بعد اس نے کمال شائستگی کے ساتھ مطلب کی بات دوہرائی تو دوسری طرف فون سننے والا لمحہ بھر کے لیے چونک گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ تم ٹھیک سمجھے ہو۔ مجھے اسی کے بارے میں بات کرنا تھی۔" اس نے کافی کا سپ بھرا اور بے ساختہ مسکرا کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ کھلتی دھوپ اب زرد دھوپ میں بدلتی جارہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سنجیدگی بھی بڑھتی گئی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں تھینکس کس بات کا؟ یہ تو میرا فرض تھا۔ پھر ہمارے برسوں کے تعلقات ہیں۔ میں اتنا بھی نہ کرتی؟ تم اب بھی بے فکر رہو۔ میں اس پہ چیک رکھا کروں گی۔ یو ڈونٹ وری۔۔۔ بٹ میں اس کی اسٹڈیز کے لیے کچھ کانشس ہو رہی تھی۔" وہ مطلب کی بات پہ آہی گئی۔۔۔ کچھ دیر تک دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے مزید کہا تھا۔

"تم جانتے تو ہو۔۔۔ حشمت انکل کی ڈیتھ پہ میں ادھر نہیں تھی۔ ایکچوئلی میں دبئ نہیں گئی تھی بلکہ اپنے آبائی گاؤں گئی تھی۔ اپنے پیرنٹس سے ملنے۔ جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔۔۔ میں نے کبھی اپنی ذات سے پردہ نہیں اٹھایا۔ لیکن تم لوگوں سے کیا چھپانا؟ تم لوگ تو میرے "اپنے" لوگ ہو۔ ان فیکٹ ناصر سے شادی کے بعد میرے پیرنٹس سے تعلقات ختم ہوگئے تھے۔ ایک طویل مدت تک کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔ لیکن ان دنوں جب حشمت انکل کی ڈیتھ ہوئی تب میرے چھوٹے بھائی نے مجھ سے کانٹیکٹ کیا۔ یوں ہمارے

پچھلے کلیش ختم ہوگئے۔ امی ابو سے توقع نہیں۔ ایک بھائی کا سہارا تھا۔ وہ جب اس شہر میں آیا تو مجھ سے ملا بھی۔ ان دنوں ہماری ہی کالونی میں اس نے چھوٹی سی ٹیوشن اکیڈمی بنائی ہے۔ کافی اچھی شہرت بھی رکھتی ہے۔ میں خود سیکنڈ ٹائم وہاں کلاسز لوں گی۔ تو اگر تم چاہو۔ میں زونی کا بھی ایڈمیشن کروادوں۔ تم تو دن بھر گھر نہیں ہوتے۔ رات کو بھی دیر سے آتے ہو۔ وہ اکیلی رہ رہ کر خبطی ہو رہی ہے۔ باہر نکلے گی تو فریش ہوجائے گی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" ایک لمبی تمہید کے بعد نائلہ نے وہ بات کرلی تھی جو اسے کرنا ہی تھی۔ پھر وہ دوسری طرف میزان کی بات سننے لگی۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے چہرے پہ ایک خوب صورت مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"تھینک یو سوچ مجھ پر بھروسا کرنے کا شکریہ۔ ارے کیوں نہیں۔ میں اس کا خیال نہیں رکھوں گی تو کون رکھے گا؟ تم بس فکر مت کرو۔ زونی کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو۔" نائلہ نے انتہائی ملائمت اور شائستگی سے کہتے ہوئے فون بند کردیا تھا۔ اب وہ مسکراہٹ دبا کر ایک اور نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

پہلی ہی بیل پہ کال ریسیو کرلی گئی تھی۔ اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"کہاں تھے؟ کیا اکیڈمی۔۔۔؟"

"ہوں ٹھیک ہے۔" پھر وہ اثبات میں سر ہلا کر سنجیدگی سے بولی تھی۔ کافی دیر تک وہ دوسری طرف کی بات سنتی رہی۔

"جواد! تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ میرا سرمایہ تمہیں کیا خبر۔ میں تمہیں دوبارہ پاکر کس قدر خوش ہوں۔ ناصر نے مجھے ورغلا کر بھٹکا دیا تھا۔ میں اپنے والدین سے دور ہوگئی تھی۔ صد شکر کہ تمہیں میرا خیال آیا۔ تم نے اپنا دل صاف کرلیا۔ میرے لیے یہی احساس کافی ہے۔" نائلہ کی آنکھوں میں نمی بھر گئی تھی۔ اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے دوسری طرف سے آتی آواز سنی تھی، پھر دوبارہ بولی۔

"میں جانتی ہوں۔ یہ شہر تمہارے لیے نیا ہے تمہیں یہاں قدم جمانے میں بہت وقت لگے گا۔ مگر تم فکر مت کرو۔ میں ہوں نا۔ تمہیں سپورٹ کروں گی۔" نائلہ کی آواز میں جوش بھر گیا تھا۔ پھر وہ ذرا جھنجلا گئی تھی۔

"ارے بابا! تعداد بھی بڑھ جائے گی۔ ابھی تو آغاز ہے۔ اور کالونی کے لوگ بے شک تمہیں نیا اور اجنبی جان کر تم پہ اعتماد نہ کریں۔ اپنے بچے نہ بھیجیں۔ لیکن مجھ پہ ضرور اعتبار کریں گے۔ دیکھنا دنوں میں کام چل جائے گا۔" نائلہ نے اسے بھرپور تسلی دی تھی۔

"ہوں ٹھیک ہے بابا! تم کرائے کے جھنجھٹ میں خود پڑے ہو۔ ورنہ میرا فلیٹ بھی بہت کشادہ تھا۔ جب کام چل گیا تو اکیڈمی فلیٹ میں شفٹ کرلیں گے۔" وہ اپنا اگلا لائحہ عمل بتا رہی تھی۔

"میں تمہارے لیے کسی بھی حد تک جاکر کوشش کروں گی۔ اور میں نے مزید بھی تمہارے لیے "اسٹوڈنٹس" گھیر لیے ہیں۔" نائلہ اب ہلکے پھلکے لہجے میں اس کی ٹینشن ریلیز کرنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ جو اپنی اکیڈمی کی کامیابی پہ اتنا پر یقین نہیں تھا۔

"ارے۔ وہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ دیکھنا میں تمہارے لیے آسمان کا تارا توڑ لاؤں گی۔" نائلہ کا جوش قابل دید تھا۔

"اسے میری بے پر کی مت سمجھو۔ تم دیکھ لینا۔۔۔ آزما لینا۔۔۔ بس دنوں میں سب کچھ بدل دوں گی۔ تم ساری عمر مجھے دعائیں دیتے رہو گے۔ پھر عمر بھر کام دھام کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔" وہ کافی کا مگ میز پر رکھ کر مسکرائی تھی۔ پھر اس نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ سامنے والے فلیٹ کی طرف دیکھا تھا۔ آج فلیٹ میں خاموشی نہیں تھی۔ نہ تالا لگا ہوا تھا۔ آج تو معمول سے ہٹ کر چہل پہل تھی۔ نائلہ کا فطری تجسس عود آیا۔

☼ ☼ ☼
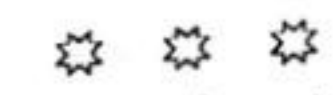
اور جب گھڑی گیارہ کے ہندسے پہ پہنچی تب وہ ٹی وی کا والیم کچھ اونچا کرتا کوئی اٹھارویں مرتبہ صوفے

سے اٹھ کر زونی کے کمرے تک آیا تھا۔ جیسے ہی دروازے کی جھری سے اندر کا منظر نظر آتا وہ گہرا سانس کھینچتا واپس پلٹ جاتا تھا۔ زونی بے خبر سوئی ہی دکھائی دیتی تھی۔

اس وقت بھی پیر کی ٹوہ سے اس نے دروازے کو دھکیلا تو دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ پھر اس نے زونی کے پیر کا انگوٹھا ہلایا۔ اور یہ ہلانا کچھ کام آگیا تھا۔ زونی مندی مندی آنکھیں کھولتی اٹھی تھی پھر میران کو سامنے دیکھ کر جیسے اچھل ہی پڑی۔

"آپ...؟" اس کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز برآمد ہوئی تھی۔ یعنی ایک اور انوکھا واقعہ۔ زندگی میں پہلی مرتبہ میران کا اس کے کمرے تک آنا۔ہاتھ پکڑنے کے بعد کمرے تک چلے آنا کیا معنی رکھتا تھا۔

وہی پھن پھلاتے نائلہ کے کہے الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے گول گول ناچنے لگے تھے۔ وہ لمحوں میں خوفزدہ ہوگئی تھی۔ پھر جلدی سے کچھ سنبھل کر دوپٹا اٹھاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ تاہم اس دفعہ وہ میران کو جتلائے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"یہ تو مینرز کے خلاف ہے۔" اس کا انداز برہم سا تھا۔ منہ بھی سوج گیا تھا۔ یا پھر میران کو ہی ایسا لگا۔ وہ خاصا چونکتا ہوا سیدھا ہوتے ہوئے بولا تھا۔

"کیا؟" میران کی آنکھوں میں حیرانگی تھی۔ جیسے وہ اس کی بات کا مطلب نہ سمجھا ہو۔ گو کہ وہ سمجھ تو گیا تھا پھر بھی۔ "کسی کے کمرے میں بنا پرمیشن کے آنا۔" زونی نے سابقہ برہم انداز میں کہہ ہی دیا تھا۔ وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپا سکا۔

"لیکن میں کسی کے کمرے میں تو نہیں آیا۔" اس نے جان کر انجان بنتے ہوئے کہا تھا۔ زونی اور بھی برہم ہوئی۔

"یوں آنا مناسب نہیں لگتا۔" زونی سے کچھ بات نہ بن پڑی تو وہ محض زیر لب بڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

"تو پھر کس طرح آنا مناسب لگتا ہے۔ تم مجھے طریقہ بتادو۔" یکایک میران کو اس بحث میں لطف آنے لگا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ روہانسی ہوگئی تھی۔ میران بے مزا ہوا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ تمہیں کیوں نہیں پتا؟" اس نے بلاوجہ بحث کو طول کرنا چاہا تھا۔ اسے پہلی مرتبہ پتا چلا تھا زونی اچھی بھلی گفتگو بھی کرلیتی ہے۔ اور اختلاف رائے بھی رکھتی ہے۔ خاصی گہرائی میں جانے کی حد تک محتاط بھی ہے۔ میران کو اس کا محتاط انداز بہت بھلا لگا تھا۔ اسی لیے وہ بڑی شفافیت سے مسکرا دیا۔

"میں تو تمہیں جگانے کے لیے آیا تھا۔ گیارہ بج چکے ہیں۔ مجھے مارکیٹ بھی جانا تھا۔ راشن بھی ختم ہے کچن سے ہم لسٹ بنادو۔ مگر پہلے ناشتے کا بندوبست کرو۔ میں پچھلے چار ماہ سے سوکھے توس کھا کھا کر تنگ آچکا ہوں۔ دادا چلے گئے تو سارے مزے بھی گئے۔ تم اچھا بھلا ناشتا بنادیا کرتی تھی۔" اس نے آنے کی "وجہ تسمیہ" بیان کی تو زونی بھی سر پہ ہاتھ مار کر جلدی سے واش روم کی طرف بھاگی تھی۔

"پھر جب وہ ہاتھ منہ دھو کر واپس لاؤنج میں آئی تو میران صوفے پر لیٹا تھا۔ ٹی وی کا والیم بہت بلند تھا۔ زونی نے ریموٹ اٹھا کر والیم کم کیا۔

"نائلہ آنٹی گھر پہ ہیں آج۔ وہ ڈسٹرب ہوں گی شور سے۔" اس نے قدرے خفگی سے "جتا" کر کہا تھا تب میران کو بھی خیال آیا۔

"تمہاری آنٹی کی صبح کال آئی تھی۔" وہ جو کچن کی طرف والیم کم کرکے جارہی تھی لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھی۔ پھر حیرت سے مڑی اور بے چینی سے بولی تھی۔

"کیوں؟" اس کے دل میں وسوسے سے جاگ گئے تھے۔ کہیں آنٹی نے اپنے خدشات تو نہیں میران کے سامنے کھول دیئے تھے۔؟

"کیا تمہیں اسٹڈیز میں پرابلم ہے؟" اس نے الٹا سوال کیا تھا۔ زونی کا سر بے ساختہ اثبات میں ہل گیا۔ اس کی اسٹڈیز پرابلم کا میران کو کیسے پتا چلا؟ وہ کچھ حیران ہوئی تھی۔

"ہے تو۔ پہلے نائلہ آنٹی پڑھا دیتی تھیں۔ لیکن اب وہ اپنے بھائی کی اکیڈمی جوائن کرلیں گی۔" اس نے تفصیل بتائی تو لمحہ بھر کے لیے وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"آنٹی نائس خاتون ہیں۔ اگر وہ اکیڈمی جائیں تو تم بھی ساتھ چلی جانا۔ میں ایڈمیشن کروادوں گا۔ پیسوں کا مسئلہ نہیں' بس بندہ بھروسے والا ہونا چاہیے۔ آنٹی ساتھ ہوں گی تو مجھے بھی فکر نہیں ہوگی۔" کچھ دیر بعد میران نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ زونی بھی مطمئن ہوگئی تھی۔ کیونکہ بائیو اور فزکس میں اسے بہت پرابلم تھی۔ دادا کی ڈیتھ کے دوران اس کی پڑھائی کا بہت حرج ہوا تھا۔ نائلہ جب تک ٹائم دے رہی تھی ٹھیک تھا۔ اب آگے تو ویسے بھی زونی کو ٹیوشن پڑھنا تھی کسی بھی اکیڈمی کو جوائن کرنا تھا۔ پھر یہ تو اپنی کالونی میں ہی تھی۔ اور آنٹی کی گارنٹی بھی موجود تھی سو میران کو بھی تسلی ہوگی اور زونی بھی مطمئن تھی۔

ویسے بھی اسکول کے بعد کا ٹائم اچھا نکل جاتا۔ گھر میں قید رہ رہ کر وہ بہت قنوطی ہوتی جارہی تھی۔ ناشتا بناتے ہوئے وہ مسلسل یہی باتیں سوچ رہی تھی۔ تب تک میران بھی نہا کر فریش ہونے کے بعد کچن میں آگیا تھا۔ آج اس کا ریسٹ تھا۔ سو اس کی گھر میں موجودگی زونی کے دل کو اندر ہی اندر بہت انوکھی سی خوشی سے ہم کنار کررہی تھی۔

دادا کے بعد اس کا واحد رشتہ اور واحد سہارا میران ہی تھا۔ بہت بچپن سے لے کر اب تک وہ ایک دوسرے کے کبھی قریب نہیں تھے۔ دادا کی لاکھ کوششوں کے باوجود میران کا رویہ ہمیشہ لیا دیا رہتا تھا۔ پھر دادا کے انتقال سے پہلے وہ افرا تفری والی ناگہانی سچویشن۔ جس میں دادا نے میران کو سخت مجبور اور بے بس کردیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی مرتے ہوئے دادا کی خواہش نہ رد کرسکا۔ وہ سب بہت اچانک ہوا تھا۔ دنوں ذہن قبول ہی نہ کرسکا۔ پھر دادا کا انتقال' گھر کی ذمہ داری' جاب کی مصروفیت.... میران آج تک زونی کو نظرانداز کرتا آرہا تھا۔

دادا کے بعد زونی اس کی ذمہ داری تھی۔ اس کی ہر ضرورت پوری کرنا ہر لحاظ سے میران کا فرض تھا۔ اس کے حقوق پورے کرنا' اس کا خیال رکھنا اس کی ضرورتوں پہ نظر رکھنا میران کا اخلاقی شرعی اور انسانی فرض تھا۔ اور فرض سارے قضا ہوتے جارہے تھے۔

وہ شدید ندامت میں مبتلا ہوا۔ اگر وہ اپنے منہ سے جھجک کے تحت یا فطری حیا شرم کی وجہ سے نہیں کہہ رہی تھی تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا میران بھی جان بوجھ کر نظرانداز کرتا۔ نہ وہ ایسا بچہ تھا کہ ان نزاکتوں کو سمجھ نہیں پارہا تھا۔ وہ چھبیس سال کا انتہائی سمجھ دار 'باشعور اور خاصا زیرک جوان تھا۔ جیسے ہی اس نے بہت ساری چیزوں پہ غور کیا تو اپنی بے شمار غلطیاں نظر میں آگئی تھیں۔ سو اس نے مزید وقت ضائع کیے بغیر ان غلطیوں پہ قابو پانا شروع کردیا تھا۔ اور یہی "قسم" کا تقاضا بھی تھا۔

جب زونی نے نہایت مہارت کے ساتھ بل دار خستہ پراٹھا اور آملیٹ اس کے سامنے رکھا تب وہ بے ساختہ خوش اور حیران ہوا تھا۔

"زونی! تم واقعی ہی بڑی ہوگئی۔" وہ اتنے اچھے گول سنہرے پراٹھے پہ غور و فکر کرتے ہوئے بولا تھا۔

تب زونی نے اس کی حیرانی کم کرتے ہوئے کہا۔

"جب دادا زندہ تھے۔ میں تب بھی ایسے پراٹھے بناتی تھی۔"

"لیکن تب میرے حصے میں جلا ہوا پراٹھا کیوں آتا تھا۔؟" اس کی آنکھوں میں شرارت بھری ہوئی تھی۔ رات کے وقت اور ابھی بھی زونی سے باتیں کرنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اور وہ سمجھ بھی رہا کہ زونی اچھی باتیں کرلیتی ہے۔ وہی کبھی فیض یاب نہیں ہوا تھا۔ اور اسے اس بات پہ خاصا افسوس بھی ہورہا تھا۔

"جلے ہوئے لوگوں کو ہر چیز جلی دکھائی دیتی ہے۔" زونی نے اطمینان سے دوسرا پراٹھا اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے اسے خاصا بے اطمینان کردیا تھا۔ میران کو پانی پیتے پیتے اچھو لگ گیا تھا۔

"میں جلتا ہوں۔" میران کو اپنی اس خامی کا ابھی

ابھی ادراک ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرانگی سی بھر گئی تھی۔ زونی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر کس سے؟" اس نے بے ساختگی میں پوچھا۔

"مجھ سے۔" زونی نے دکھی دل کے ساتھ اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ میران بڑا ہی مضطرب ہوا اور بمشکل اپنی ہنسی کو چھپا سکا تھا۔

"کیسے؟" اس کی آنکھوں میں مزے دار سی شرارت بھری تھی۔

"میں جانتی ہوں۔ آپ میری اور دادا کی محبت پہ جلتے تھے اور آپ کو لگتا تھا میں آپ کی محبت پر قابض ہوچکی تھی۔" زونی نے اپنے انداز اور سمجھ کے مطابق بڑی گہری بات کی تھی۔ میرانی کو پھر سے کھانسی لگی تھی۔ وہ بمشکل بول پایا۔

"لیکن تم نے میرے حصے کی محبت پر قبضہ نہیں کیا تھا۔" میران نے اسے گلٹ سے نکالنا چاہا۔ زونی نے اپنی بات پر زیادہ زور دیتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا تو تھا۔ دادا مجھے ہی زیادہ چاہتے تھے۔" وہ اپنی بات پہ سنجیدگی کے ساتھ قائم تھی۔ کچھ سوچ کر میران نے بھی تسلیم کرلیا۔

"اگر تم یہ سمجھتی ہو تو ایسا ہی ہوگا۔ اب اس کا ازالہ کردوں؟"

"مگر کیسے؟" میران کے دوبارہ دوہرانے پر وہ ذرا ہکلا سی گئی تھی۔ وہ تو اس پر ثابت کرنا چاہ رہی تھی کہ دادا زونی کو زیادہ چاہتے تھے۔ وہ زونی کو اتنا گیا گزرا بھی نہ سمجھے۔ دادا کے بعد جیسے وہ منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتا تھا اور چار ماہ بعد جس زونی کا اسے خیال آیا تھا کہ وہ بھی اس گھر میں موجود ہے۔ اور زندہ بھی ہے۔ دادا ہوتے تو زونی کی ایسی "ناقدری" کبھی نہ ہونے دیتے چار ماہ تک دادا کے اس مغرور پوتے نے زونی سے کلام کرنا پسند نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہی تھا وہ زونی سے جلتا ہے۔ اور یہ بھی سوچتا ہوگا۔ اچھا ہے۔ دادا کے بعد تنہا اکیلی اور خود میں گم صم رہ کر قنوطی ہوتی رہے۔ دادا کی زندگی میں جتنی زبان چلاتی تھی اتنا اب خاموش رہے۔ یہ جلن اور کھولن نہیں تھی تو اور کیا تھا؟ زونی کو پکا گمان تھا۔ دادا کے بعد' وہ اس سے پچھلے بدلے گن گن کرلے گا۔ دادا بھی تو زونی کی خاطر میران کو بہت ڈانٹا کرتے تھے۔ وہ زونی کو ہوم ورک نہ کرواتا تب بھی ڈانٹ پڑتی۔ وہ اسے ٹیسٹ یاد نہ کرواتا تب بھی ڈانٹ پڑتی۔ وہ اسے سہیلی کے گھر نہ لے کر جاتا تب بھی ڈانٹ پڑتی۔ اس کا من پسند لزانیہ نہ لے کر آتا تب بھی ڈانٹ پڑتی۔ ماضی تو بھرا پڑا تھا ایسے واقعات سے۔ جس میں میران کو زونی پہ بہت تپ چڑھا کرتی تھی وہ زونی سے بہت چڑتا تھا اسے غصہ بھی ہوتا اور کبھی کبھار ایک آدھ چانٹا بھی لگا دیتا تھا۔ دادا سے نظر بچا کر۔ زونی کو یاد تھا آج بھی یاد تھا۔ ایک مرتبہ چاند رات کو دادا نے میران سے کہا۔

"زونی کو مہندی لگوا لاؤ۔ اور چوڑیاں بھی خرید لاؤ۔" وہ جو بن ٹھن کر اپنے دوستوں کے ہمراہ چاند رات کی رونقیں دیکھنے جارہا تھا اس "حکم نامے" پہ بری طرح چڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا غصہ بھر گیا تھا۔ اور ماتھے پر سلوٹیں بھی ابھر آئی تھیں۔

"زونی کے کپڑے آج بلکہ ابھی درزن نے سلائی کر کے بھیجے ہیں۔ ساتھ لے کر جائے گی تو میچنگ چوڑیاں لے کر آئے گی۔ مہندی کس کے ساتھ جاتی لگوانے۔ تم صبح سے گھر نہیں تھے کب سے تمہاری راہ تک رہی تھی۔ تم ابھی آئے اور ابھی چل دیے میں تو بائیک چلانے سے رہا۔ ورنہ تمہیں کبھی نہ کہتا۔ خود چلا جاتا۔"

"آپ اتنے رش میں بازار جاسکتے ہیں؟ بیمار ہونا ہے کیا؟ آرام سے گھر بیٹھیں۔ میں لے جاتا ہوں۔" میران نے پھولے منہ کے ساتھ تب دادا سے تو کہہ دیا تھا۔ وہ بے ساختہ خوش بھی ہوگئے تھے 'لیکن سارے رستے میران نے زونی کو وہ کھری کھری سنائی تھیں کہ آج تک اسے وہ چاند رات نہیں بھولی تھی۔ وہ بائیک ایسے چلا رہا تھا جیسے ہوا میں اڑ رہا ہو۔ اوپر سے اس کی سڑی ہوئی جلی کٹی باتیں۔ آسمان کو چھوتا غصہ۔

"اتنا لمبا پروگرام تھا۔ آؤٹنگ اور ڈنر کا۔ بیڑہ غرق کر کے ستیاناس کردیا۔" میران نے پارکنگ میں بائیک ایک جھٹکے

سے روکتے ہوئے کلس کر کہا تھا۔

"ابھی تو بہت ٹائم ہے میں جلدی فارغ ہو جاؤں گی۔" زوفی خوف زدہ سی بولی تھی پھر واقعی ہی اس نے منت سماجت کر کے جلدی پارلر سے جان چھڑوالی تھی۔ چوڑیاں بھی خرید لیں۔ تب ہی دادا کی کال آگئی تھی۔ انہوں نے میران سے دھونس بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"زوفی کو لزانیہ بھی کھلا کر لانا۔ آئس کریم بھی۔ اسے بہت پسند ہے۔" وہ آرڈر دے کر فون بند کر چکے تھے۔

مرتا کیا نہ کرتا۔ دادا کے سامنے انکار کی جرات نہیں تھی۔ لیکن فون بند کر کے وہ زوفی پہ الٹ پڑا تھا۔

"اچھی جان کو چمٹ گئی ہو۔ تمہارے کام ہی ختم نہیں ہوتے۔ زوفی کا یہ کرو، زوفی کا وہ کرو۔ زوفی کا گلا نہ دبادوں۔؟" وہ پھر سے اسے بٹھا کر بائیک اڑاتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ زوفی آنکھیں میچے خوف سے دہری ہوتی آیت الکرسی پڑھ رہی تھی۔ کم از کم عید دیکھے بغیر وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اور اتنا پیارا جوڑا۔ سینڈل اور یہ چوڑیاں۔ ابھی تو اس نے انہیں پہنا ہی نہیں تھا۔

اور پھر جب وہ لوگ واپس آرہے تھے تب ٹریفک میں پھنس گئے تھے۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد واپسی ہوئی تب تک رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ دادا نے میران کو دوبارہ نکلنے ہی نہ دیا تھا۔ کیونکہ رات گئے وہ میران کے باہر جانے گھومنے پھرنے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔

یوں زوفی کی وجہ سے میران کا پروگرام چوپٹ ہو گیا تھا۔ اس کے دوست کال کر کے تھک چکے تھے۔ میران نے غصے میں فون بند کر دیا تھا اور اس کا سڑا بسا منہ دیکھ کر دادا بار بار بڑے لاڈ سے میران کو کہتے تھے۔

"اتنے سڑے ہوئے کیوں بیٹھے ہو۔ آج چاند رات ہے۔ ہنسو کھیلو۔" تب وہ غصے سے چیخ پڑا تھا۔

"کیسے کیسے ہنسو کھیلوں۔ چاند رات باہر ہے اندر نہیں۔" اس کا غصہ کم نہ ہوتا تھا۔ وہ ٹی وی لگا کر منہ پھلا کر بیٹھ گیا تھا۔ تب دادا نے بڑی محبت اور لاڈ سے اسے سمجھایا۔

"چاند رات باہر نہیں۔ دل کے اندر ہی ہوتی ہے میری جان۔ بس دل کا خوش ہونا ضروری ہے۔ دل کا تاروں سے سجا ہونا ضروری ہے۔ پھر تم اکیلے کہاں ہو۔ زوفی ہے نا تمہارے ساتھ۔ اس کو اپنی باتیں سناؤ۔ کچھ اس کی سن لو۔ تم دو نہیں۔ تم سے تو کئی اور زیادہ ہوں گے۔ اس گھر میں تم دونوں سے ہی آگے بھی رونق لگے گی۔ یہ گھر آباد ہوگا۔ تم دونوں سے ہی آباد ہوگا۔ میں نہ بھی ہوا تب بھی۔" وہ چمکتی آنکھوں سے اکھڑے اکھڑے پوتے کو دیکھتے تھے تب وہ جلتا، کلستا خاموش ہو جاتا تھا۔ کسی گہری سوچ میں گم ہو جاتا تھا۔ یعنی وہ تب بھی دادا کی ہر معنی خیزیات کی گہرائی کو سمجھ لیتا تھا لیکن تب زوفی ان باتوں کو نہیں سمجھتی تھی۔ اسے بس اتنا محسوس ہوتا تھا کہ میران اس سے جلتا ہے۔ اور اسی تناظر میں غائب دماغی سے اس نے میران کو وہی پچھلی باتیں جتلا دی تھیں اور ابھی وہ اس "جتلانے" کے باعث بری طرح سے پھنس چکی تھی۔ کیونکہ میران نے اس کی بات کو پکڑ لیا تھا۔

"تو اب ازالہ کرو۔ یہ تو تمہارا فرض بنتا ہے۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے دادا نے مجھے ہمیشہ ڈانٹا غصہ کیا اور کبھی پیار نہیں کیا۔" میران مبالغہ آمیزی کی حد کر رہا تھا۔ زوفی تھوڑا جھنجلا گئی تھی۔ اب ایسا بھی نہیں تھا۔ دادا کو میران بھی بہت پیارا تھا۔

"میں کیسے ازالہ کروں؟" وہ روہانسی ہو گئی تھی۔

"یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیے۔" میران معصوم بنا تھا۔

"دادا تو اب نہیں۔" زوفی نے دھیمی آواز میں کہا تھا۔ میران ترنت بولا۔

"ان کی پوتی تو ہے نا۔" اس کے لبوں پر زچ کر دینے والی مسکراہٹ تھی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں؟" وہ جیسے ہونق ہوئی۔

"تم پیار تو کر سکتی ہو نا۔؟" میران آنکھوں میں ڈھیروں شرارت بھرتے ہوئے بولا تھا۔ پہلے تو زوفی سمجھ ہی نہیں پائی تھی پھر جیسے ہی اس کی بات سمجھ آئی۔ زوفی نے پیڑا ہاتھ سے رکھا اور اور حواس باختہ سی کچن سے باہر نکل گئی تھی جبکہ میران بھی ناشتا ادھورا چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگتا ہوا چلا گیا تھا۔ اس انداز میں کہ چہرے پہ اب بھی مسکراہٹ تھی۔

میران کے الفاظ اب بھی اس کا دل دھڑکا رہے تھے۔ اس پہ شدید گھبراہٹ طاری تھی۔ اور دل کی حالت بہت عجیب تھی۔ یوں پسلیاں توڑنے میں ہلکان ہو رہا تھا جیسے ابل کر باہر آگرے گا۔

اس کا چہرہ بہت گرم اور سرخ ہو رہا تھا۔ اور ہتھیلیاں پسینے سے تر بتر تھیں۔ دل پہ وارد ہونے والی کیفیت بہت اجنبی تھی۔ بہت الگ تھی۔ بہت ان چھوئی اور معصوم تھی۔ اسے دھڑکنوں کے تال بدلنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ بہرحال اسے یوں لگ رہا تھا جیسے میران کے الفاظ کی گدازیت دل میں نرم نرم سی ہلچل مچا رہی ہے۔ اس نے بہت دفعہ چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نادیدہ سے احساس کو مٹانا چاہا تھا جو چہرے پہ سرخی کی طرح چھاتا جا رہا تھا۔

اور پھر میران دوبارہ بولتا ہوا اس کے پیچھے چلا آیا۔ وہ مارے گھبراہٹ کے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ میران ڈور فریم میں جم کر کھڑا رہ گیا۔ وہ پچھلے چار ماہ والے میران سے الگ تھا۔ بالکل الگ اور مختلف۔ بہت اپنا اپنا سا۔ بہت خیال رکھنے والا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی اسے پہلے والے میران کی ضرورت تھی یا اب والے میران کی؟

"زوفی! آج تم انیس سو اکہتر والی ہیروئن کیوں بن رہی ہو؟ میں جہاں جاتا ہوں۔ تم آگے بھاگ جاتی ہو۔ کم آن یار مذاق کو سمجھا کرو۔ اتنا سنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔؟ میں زبردستی تھوڑی "پیار" وصول کروں گا۔" اس کا انداز اب بھی شرارتی تھا۔ زوفی کا دل پھر سے سرپٹ بھاگنے لگا۔ دھڑ دھڑ دھڑکنے لگا تھا۔

یہ میران کو کیا ہو گیا تھا؟ میران کو کیا ہو رہا تھا؟ یہ ایک ہی رات میں اتنا کیسے بدل گیا تھا؟ یا پھر نائلہ آنٹی کے خدشات؟ کیا خبر یہ وسوسے سچ ہونے کے قریب ہوں؟ اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے خوف اتر آیا تھا۔

"اب کس مراقبے میں کھڑی ہو۔ چلو لسٹ بناؤ۔ کچن کے لیے کیا کیا چیزوں کی ضرورت ہے؟ فریج بھی خالی ہے جوس تک پینے کے لیے نہیں۔ انڈے بریڈ سب ندارد۔ کم از کم اتنا تو بتا دیا کرو۔ فلاں فلاں چیز کی ضرورت ہے۔" وہ بولتا ہوا باہر نکلا تو زوفی بھی پنسل کاپی اٹھا کر حواسوں میں آتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

پھر ان دونوں نے مل کر اتنی لمبی لسٹ بنالی تب میران بوکھلا سا گیا۔

"آج تو پورا دن اسی کام میں لگ جائے گا۔" اس کا انداز پرسوچ قسم کا تھا۔ زوفی نے اسے مشورہ دیا۔

"کچھ چیزیں اگلے ہفتے پہ اٹھا رکھتے ہیں۔"

"اوں ہوں۔" میران نے نفی میں سر ہلایا۔

"نیکسٹ ویک کیا پتا کوئی اور کام نکل آئے۔ آج کا کام آج ہی ہونا چاہیے۔ تم ناشتا کرو پھر اکھٹے نکلتے ہیں۔" وہ اسے کچن کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ زوفی کو اچنبھا ہوا۔ پراٹھے پہ اچار کی پھانک رکھ کر نوالہ توڑتی زوفی کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"کیا مطلب؟ میں بھی جاؤں گی؟" اسے حیرت کے مارے غش آنے لگے تھے۔ ابھی ایک ہی نوالہ توڑ کر منہ میں رکھا تھا۔ جو حلق میں ہی پھنس گیا۔

"لیکن آپ کہاں جا رہے ہو؟۔" وہ رو دینے کو ہو گئی تھی۔ میران اس کی کیفیت پہ بات کرتے کرتے اچانک رک گیا تھا۔ پھر اس کی غلافی آنکھوں میں پیار سے دیکھ کر نرمی سے بولا۔

"میں دادا کے پاس نہیں جا رہا۔ سلی گرل!۔" زوفی کے آنسوؤں نے اس کا دل اور ابھی ملائم کر دیا تھا۔ وہ میران کے لیے کانشس ہوتی اسے اپنے دل کے کچھ اور قریب لگی تھی۔

"آپ مجھے چھوڑ کر جا بھی کیسے سکتے ہو؟۔" زوفی نے دل ہی دل میں خفگی سے جتلایا تھا۔ میران لسٹ کو تہہ کر کے ٹراؤزر کی پاکٹ میں رکھتا اس کے قریب آگیا۔ پھر اس نے زوفی کا سر نرمی سے سہلایا تو وہ بے ساختہ کچھ چونک کر گھبرا گئی تھی۔

"میں نے ناشتا کرلیا ہے چلتے ہیں میرا!" زوفی نے برتن اٹھا کر سنک میں رکھ دیے تھے۔ گھر آکر انہیں دھونے کا ارادہ رکھتی تھی۔ فی الحال تو وقت نہیں تھا۔ باہر گرمی بھی بہت تھی۔ مزید دیر ہونے کی صورت میں سورج اور بھی گرم ہو سکتا تھا۔

میران اپنا والٹ اور کار کی چابی اٹھا کرلے آیا۔ یہ نئی کرولا اس نے حال ہی میں خریدلی تھی۔ جو نائلہ کو بھی بہت پسند آئی تھی اور وہ بھی چاہتی تھی سوزوکی بیچ کر کرولا خرید لے۔ پھر جیسے ہی وہ دونوں آگے پیچھے اپنے فلیٹ سے باہر نکلے تب نائلہ کسی نوجوان کے ساتھ سوزوکی میں جاتی دکھائی دی تھی۔ ان کی گاڑی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی تو میران نے زوفی کو بتایا۔

"یہ جواد ہے۔ نائلہ کا بھائی۔ نائلہ کے اپنی فیملی سے کچھ کلیش تھے۔ پیرنٹس کی ڈیتھ کے بعد ان کے بھائی نے تعلقات بحال کرلیے ہیں۔ اس کی اکیڈمی میں تمہارا ایڈمیشن کروادوں گا۔ ٹھیک ہے نا؟" وہ زوفی سے رائے لے رہا تھا وہ بھلا کیا جواب دیتی؟ اگر نائلہ آنٹی کا بھائی تھا۔ تو پھر ٹھیک ہی تھا۔

"اور دیکھو زوفی! تمہیں دھیان سے پڑھنا ہے۔ محتاط رہ کر۔ آنٹی کے ساتھ ہی جانا اور آنٹی کے ساتھ ہی آنا۔" میران مزید بھی اسے سمجھا رہا تھا۔ اس نے اثبات میں سرہلادیا۔ کرولا ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے رکی تو میران باہر نکلتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں نیچے اسٹور سے راشن خرید تا ہوں۔ تم اوپر جاؤ۔ اپنی ضروری چیزیں خرید لو۔" میران نے نرمی سے اسے دیکھا تو وہ سرہلا کر رہ گئی تھی۔ تو گویا میران اسے گھر سے اسی مقصد کے تحت لایا تھا تاکہ وہ اپنے لیے ضرورت کی چیزیں خرید سکے۔ وہ دل ہی دل میں میران کی سمجھداری اور زیرکی قائل ہوگئی تھی۔

اور جب وہ ٹرالی گھسیٹتی نیچے آئی تو سامنے ہی نائلہ سے ٹکراؤ ہوگیا۔ وہ اپنے ہینڈسم بھائی کے ہمراہ آئی ہوئی تھی۔ زوفی کو دیکھ کر نائلہ قریب آگئی۔ پھر اس نے اپنے بھائی سے زوفی کا تعارف کروایا۔

"یہ زوفی ہے جواد! جس کی میں نے اتنی تعریفیں کی تھیں۔ بتاؤ تعریف کے قابل ہے نا۔" نائلہ اس کے حسین مکھڑے پہ چمکتے پسینے کو دیکھ کر اپنے ازلی بے تکلفانہ کھلے ڈلے انداز میں تعارف کی رسم نبھا رہی تھی۔ نائلہ کا بھائی بھی اسی کی طرح خوش مزاج اور بے تکلف تھا۔ اس نے اپنی بہن کی طرح ہی جواب دیا۔

"تعریف سے بہت اوپر سویٹ اینڈ انوسینٹ۔ میری نیو اسٹوڈنٹ۔" جواد نے گہری نظر سے زوفی کا مطالعہ کیا تو وہ کچھ گھبرا گئی تھی۔

"جواد اتنا ہی فرینڈلی اور جولی ہے۔ دنوں میں بچے اس کے گرویدہ ہوچکے ہیں۔ اینی وے جان! تم آئی کس کے ساتھ ہو؟" نائلہ اس کی گھبراہٹ کو سمجھ کے بات بدلنے والے انداز میں بولی تھی۔ زوفی نے اپنے ماتھے سے پسینے کے قطرے پونچھ کر بتایا۔

"میران کے ساتھ۔" اس کی آواز بھی کپکپا رہی تھی۔ جانے وہ اس قدر لوگوں کے سامنے کنفیوژ کیوں ہوجاتی تھی۔ اور پھر نائلہ کا بھائی اس کی گرم سی نگاہیں۔ بہت تفصیلی ایکسرے کرتی ہوئیں۔ گوکہ وہ خاصا نفیس اور ڈیسنٹ تھا پھر بھی زوفی کو تھوڑا عجیب ہی لگا۔ وہ بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اور اس کی نگاہوں سے زوفی کو الجھن ہو رہی تھی۔

"میران بتا رہا تھا۔ تم سنڈے سے اکیڈمی جوائن کرلوں گی۔" نائلہ نے اس کی گھبراہٹ کو کم کرنا چاہا تھا۔ تب اس نے اثبات میں سرہلادیا۔

"ویری گڈ مجھے انتظار رہے گا۔ اور ہاں دیکھنا جواد دنوں میں تمہارا سلیبس کور کروائے گا۔ ماشاءاللہ سے ایم ایس سی گولڈ میڈلسٹ ہے۔" نائلہ نے بڑے فخریہ انداز میں اپنے خوب صورت بھائی کو دیکھتے ہوئے بتایا تھا۔ جیسے اس کا بھائی اس کے لیے کسی "میڈل" سے کم نہ ہو۔ زوفی بھلا کیا تبصرہ کرتی؟ بس مسکرادی تھی۔

اسی پل میران بھی فارغ ہو کر پہنچ گیا۔ تب اس کی نگاہ جواد پر پڑی تو دونوں طرف سے خاصی گرم جوشی اور اخلاق کا مظاہرہ ہوا تھا۔ جواد کچھ زیادہ ہی خوش مزاج تھا۔ منٹوں میں بے تکلف ہوگیا۔ جبکہ میران مزاجاً کچھ الگ تھا۔ وہ اتنی جلدی کسی سے گھلتا ملتا نہیں

تھا۔ ابھی تو یہ اخلاق بھی محض نائلہ کی وجہ سے تھا کیونکہ نائلہ کی بہرحال وہ بہت ریسپیکٹ کرتا تھا۔

یوں پہلا تعارف جواد سے ڈپارٹمنٹل اسٹور میں ہوا تھا۔ جو بڑھتا ایک حد پہ آکر رک گیا۔ جواد بہت ذہین اور حاضر دماغ تھا۔ نائلہ نے اس کی ٹھیک ہی تعریف کی تھی۔ اس نے دنوں میں اپنا سکہ جمالیا۔ اور اسٹوڈنٹس بھی اس سے مانوس ہوچکے تھے۔ اس کے پڑھانے کا طریقہ اتنا منفرد، الگ اور بہترین تھا کہ ایک ہی دفعہ میں لیکچر سمجھ میں آجاتا تھا۔ اس کے پاس بے شمار آئیڈیاز تھے۔ اور وہ کانسیپٹ کی مشین تھا۔ ایسے ایسے طریقوں سے سمجھاتا کہ دماغ میں جم جاتا تھا۔ پھر بھولتا ہی نا۔

زوفی دل ہی دل میں جواد سے متاثر ہوچکی تھی۔ اور اس دن والی جواد کی نظروں کو بھی نظر انداز کردیا تھا۔ کیونکہ بعد میں کبھی جواد نے ایسی نگاہوں سے دیکھ کر زوفی کو چوکنا ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔ یوں دنوں میں ہی جواد کے نام کا پوری کالونی میں طوطی بولنے لگا تھا۔ اور اس نے اپنے قدم اچھی طرح سے جمالیے تھے۔

☼ ☼ ☼

اتوار کے دن باہر رم جھم شروع ہوئی تو پھر رکی ہی نہیں۔ موسم بڑا خوشگوار ہوگیا تھا۔ بادل گھر گھر کے آرہے تھے۔ ہلکی پھلکی بارش نے گرمی کا کچھ توڑ کر ہی دیا تھا۔

جیسے ہی بارش رکی تو زوفی نے کھڑکی میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ نائلہ کا فلیٹ سامنے تھا جس کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ کچھ دیر بعد جواد اندر جاتا دکھائی دیا۔

"سر جواد آئے ہیں۔؟" زوفی نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر کچن میں آگئی تھی۔ کچھ دیر پہلے اس نے بریانی بنائی تھی۔ کباب بھی فرائی کرکے رکھے تھے اس نے ایک ٹرے میں بریانی کی پلیٹ رکھی کباب اور رائتہ ڈالا۔ ٹرے ڈھک کے وہ دروازہ بھیڑ کے سامنے والے فلیٹ میں آگئی تھی۔ اسے دیکھ کر نائلہ اور جواد کھل اٹھے تھے۔

"زہے نصیب! آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔" جواد خوش دلی سے مسکرادیا تھا۔ زوفی کچھ جھینپ گئی تھی۔

"زوفی! تم تو نظر ہی نہیں آتی۔" نائلہ بھی کچن سے نکل آئی تھی۔ اسے دیکھ کر نائلہ نے بے ساختہ شکوہ کیا۔

"آپ بھی تو بہت بزی ہوچکی ہیں۔ ایک ہفتے سے اکیڈمی بھی نہیں آرہیں۔" زوفی نے بھی جواباً جتلایا تھا۔

"آفس میں کام بہت ہوتا ہے گڑیا! آؤ تم بیٹھو نا۔" نائلہ نے پیار سے کہا۔ تب ہی جواد کی نظر ٹرے پہ پڑی تھی۔

"کیا لائی ہو زوفی!۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"بریانی۔" زوفی نے بتایا تھا۔

"کس کے لیے؟" جواد نے ٹرے اٹھالی تھی۔ پھر کچن سے اسپون اور پانی کی بوتل نکال لایا۔

"ظاہر ہے تمہارے لیے کیوں کہ زوفی جانتی ہے میں نے کبھی چاول نہیں کھائے۔" نائلہ کے جواب پر زوفی کچھ جھینپ کر اثبات میں سرہلانے لگی تھی۔

"اور زوفی نے آج تک ہمارے گھر چاول نہیں دیے۔ تو پھر یہ تمہارے لیے ہوئے نا۔ کیوں کہ تمہیں بریانی پسند ہے۔" نائلہ نے مزید بھی جواد کو یقین دہانی کروائی تھی۔ اسے جیسے یقین آگیا تھا۔

"یہ عنایت ہم پہ ہی کیوں؟" جواد نے چپ کھڑی زوفی کو مخاطب کیا تھا۔

آپ میرے "سر" جو ہیں۔۔۔" زوفی سادگی سے بولی۔

"اور اگر سر کے تاج بن گئے تو؟" جواد نے برجستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ زوفی عادتاً سمجھ ہی نہیں سکی تھی۔ ہونقوں کی طرح مسکراتی رہی تھی۔ عام طور پر بھی وہ بروقت سوچنے والی باتوں کو کافی عرصے بعد سوچا کرتی تھی اور بہت بعد میں غور و فکر کرنے والے عقل مند نہیں گنے جاتے۔ احمق ترین شمار ہوتے ہیں۔

"جواد! یکو نہیں۔۔۔" نائلہ نے کچن سے ہی تنبیہ

کی تھی۔

"تپا! اسے کچھ سمجھا رہا ہوں۔ سر کے تاج کا مفہوم۔" جواد نے شرارت سے ہانک لگائی تھی۔

"زوفی بہت سادہ ہے۔ اسے تنگ مت کرو۔" نائلہ نے خفگی سے جواد کو ڈپٹا تھا۔ وہ بریانی کھاتے ہوئے برابر تعریف بھی کرتا رہا۔

"تو ڈاؤٹ یقین نہیں آتا۔ اتنی اعلا بریانی تم نے بنائی ہے۔ زوفی تم تو کمال کی بندی ہو۔"

"ہماری زوفی میں بہت خوبیاں ہیں جس گھر میں جائے گی چار چاند لگا دے گی۔ انتہائی سگھڑ، سلیقہ مند۔"

نائلہ کی بے تحاشا تعریفوں نے اسے خفت سے سرخ کر دیا تھا۔ دادا بھی ایسے ہی زوفی کے پکائے کھانوں کی تعریفیں کرتے تھے۔ کیوں کہ کوکنگ تو زوفی نے بہت جلدی سیکھ لی تھی اور بہت اعلا قسم کی سیکھی تھی۔ البتہ تعریف کے معاملے میں میران بہت کنجوس تھا۔ خال خال ہی تعریف کرتا۔ بہت موڈ میں ہوتا تب۔۔۔ ورنہ نہیں۔

اور یہ دونوں، بہن بھائی بہت کھلے دل اور کھلی زبان والے تھے۔ تعریفوں کے بے دریغ ڈونگرے برساتے تھے۔ زوفی دل ہی دل میں بہت خوش ہوتی تھی۔ اپنی تعریف کسے بری لگتی ہے؟ اور زوفی کو صحیح معنوں میں اب ادراک ہوا تھا کہ اس میں اتنی پوشیدہ خوبیاں موجود تھیں جن کی اسے خود خبر نہیں تھی۔

ایک دن زوفی کلیوں والی سرخ فراک پہن کر اکیڈمی گئی تو خاص طور پر سر جواد نے اس کی تعریف کی۔ پوری کلاس کے سامنے۔ زوفی شدید خفت زدہ ہوئی تھی۔ پھر جب وہ گھر آنے لگی تو سر جواد نے اکیڈمی سے باہر نکلتے ہوئے جنگلی گلاب کا پودا دیکھ کر ایک گلاب کو توڑا اور زوفی کی سمت بڑھا دیا تھا۔

سرخ گلاب کے لیے سرخ گلاب کا تحفہ۔" سر جواد کا انداز بہت شائستہ اور محبوبانہ قسم کا تھا۔ زوفی مسکرا دی تھی۔ پھر اس نے گلاب بھی پکڑ لیا۔

چھٹی کے وقت وہ سر جواد کے ساتھ واپس آتی تھی۔ کیوں کہ اندھیرا پھیل جاتا تھا اور سر جواد کو بھی نائلہ کے فلیٹ تک آنا ہوتا تھا۔ دونوں کا روٹ ایک تھا، سو وہ پیدل مارچ کرتے گھر پہنچ جاتے تھے۔ اس دوران جواد زوفی سے ڈھیروں باتیں کرتا تھا۔ وہ بہت باتونی تھا۔ اسے بھی بولتے رہنے کا کریز تھا۔ وہ ہر ٹاپک پہ بے دریغ بول سکتا تھا۔

جواد کو گفتگو کرنے کا سلیقہ بھی تھا۔ پرسنالٹی بھی چارمنگ تھی۔ تعلیم بھی تھی۔ سو وہ دلوں کو "موہ" لینے کے فن سے آشنا تھا۔

کبھی کبھی اکیڈمی میں جلدی کام ختم ہو جاتا تو جواد اسے پارک کی طرف لے آتا۔ وہ پارک کے رستے سے ہوتا ہوا آئس کریم کارنر سے کون پکڑتا اور زوفی کو لیے پارک میں آجاتا۔ وہ واک کرتے کرتے ڈھیروں باتیں کرتے تھے ہر موضوع پہ، ہر ٹاپک پہ، ہر انداز سے وہ گفتگو میں کمال رکھتا تھا۔ پھر ایک دن پارک کے قریب سے گزرتے ہوئے جواد نے محبت کا موضوع چھیڑ لیا۔

"تم پیار پہ یقین رکھتی ہو زوفی!" اس نے اچانک موضوع بدل کر "پیار" کی بحث چھیڑی تھی کہ زوفی کچھ ہونق سی ہو گئی۔ وہ تو آزاد میڈیا پہ بات کر رہے تھے، بیچ میں محبت کہاں سے آ گئی تھی؟ بیچ میں پیار کہاں سے آگیا تھا؟ زوفی نے حیرانگی سے زیر لب بڑبڑا کر کہا۔

"پیار؟" اسے یہ لفظ اتنا اجنبی سا نہیں لگا تھا۔ یہ لفظ بہت دفع دادا بھی استعمال کرتے تھے اور ایک مرتبہ میران بھی کر چکا تھا۔ یہ لفظ اجنبی تو ہرگز نہیں تھا۔ دادا تو اکثر میران اور زوفی کی موجودگی میں کہا کرتے تھے۔ جب وہ دونوں دادا کے پاس بیٹھ کر بھی ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ میران ٹی وی لگائے رکھتا اور زوفی اخبارات کھنگالا کرتی تھی۔ وہ دونوں بہت کم آپس میں بولتے تھے اور دادا چاہتے تھے وہ دونوں ان کے سامنے ہنسا بولا کریں۔ باتیں کیا کریں۔ لیکن ہنسنا بولنا تو بہت کم ہوتا تھا البتہ اکثر میران کو اس پہ غصہ آجاتا تھا۔ کبھی ٹیسٹ خراب ہونے پہ، کبھی اس کا پڑھایا ہوا جب زوفی کو ٹھیک سے

سمجھ نہ آتا تب وہ غصے میں بولنے لگتا تھا اس دوران دادا لاٹھی ٹیکتے باہر نکل آتے تھے۔

"کبھی تو ہنس بول لیا کرو۔ کبھی تو آپس میں "پیار" سے بات کر لیا کرو۔" دادا "پیار" پہ بہت زور دیا کرتے تھے۔ ان کی ہر بات کی تان پیار پہ آکر ٹوٹ جاتی تھی۔ وہ ان دونوں میں "پیار" دیکھنا چاہتے تھے اور پیار تھا کہ ہوتا ہی نہیں تھا۔ پیار تھا کہ درمیان میں آتا ہی نہیں تھا۔ اور میران "پیار" کے نام پہ جز بز ہو جاتا تھا۔

"تم کبھی زوفی سے پیار نہیں کرتے۔ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" دادا جب میران کو "گھیر" لیتے تو اس کی "بچت" ناممکن ہو جاتی تھی۔ وہ بری طرح سے پھنستا تھا۔

"زوفی سے پیار آپ کو دکھا کر کروں؟" وہ چڑ جاتا تھا۔ خفا ہو جاتا تھا۔ پھر اٹھ کر باہر نکل جاتا اور یہ دادا کی وفات سے چند دن پہلے کی باتیں تھیں۔ وہ اس دن بھی بڑی آزردگی کے ساتھ میران کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھے تھے اور بار بار ایک ہی بات دوہراتے۔

"میرے بعد زوفی کا خیال رکھنا۔ میرے بعد زوفی سے پیار کرنا۔" اور تب میران نے پہلی مرتبہ بہت خفگی سے جتلایا تھا۔

"آپ کو زوفی کی فکر رہتی ہے۔ میری کوئی پروا نہیں۔" گو کہ وہ ایسا شکوہ کر کے انہیں آزردہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر بھی زوفی کے "پیار" والے موضوع سے ہٹانے کے لیے ان کا دھیان بٹانا ضروری تھا۔

"تم سمجھدار ہو میرو! زوفی ناسمجھ ہے۔ معصوم ہے۔ اسے پل پل رہنمائی کی ضرورت رہے گی۔ تمہاری مجھے فکر نہیں۔۔۔ زوفی کے لیے دل پریشان رہتا ہے۔ اسے سوجھ بوجھ نہیں۔ اسے اچھائی برائی کا پتا نہیں۔ اس نے "دنیا" کو دوسری نگاہ سے دیکھا ہی نہیں۔۔۔ اس کی دنیا ہم تینوں تک محدود ہے۔ اسی لیے تو کہتا ہوں۔ زوفی کا خیال رکھنا۔ زمانہ بہت اور ہے۔ یہ دور بہت اور ہے۔ لوگ اوپر سے کچھ اندر سے کچھ ہوتے ہیں۔ کسی کے "اندر" کی کیا خبر۔ بس تم میری زوفی سے پیار کرتے رہنا۔۔۔" دادا کی ہر نصیحت ہر بات ہر دلیل کی تان زوفی سے "پیار" کرنے کی تسلی پہ آکر ٹوٹ جاتی تھی۔ تب میران بھی ماحول کی کثافت کے اثر کو زائل کرتے ہوئے بولتا تھا۔

"آپ فکر مت کریں۔۔۔ میں زوفی کو آپ والا پیار دوں گا۔" اس کی شرارت کو دادا خوب سمجھ لیتے تھے۔ پھر ان کے زرد بیمار، ویران چہرے پہ مسکراہٹ آجاتی تھی۔

"نہیں۔۔۔ تم زوفی کو بس "اپنے" والا پیار ہی دینا۔" دادا کی کمزور نحیف آواز کی بازگشت ابھی تک زوفی کے کانوں میں گونجتی تھی اور اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر جاتی تھیں۔ پھر ایک مرتبہ میران نے بھی زوفی سے کہا تھا۔ "تو تم اپنے پیار سے ازالہ کر دو۔۔۔" گویا لفظ "پیار" ایسا اجنبی نہیں تھا جس پہ زوفی کو چونک جانا پڑتا۔ یا وہ حیران ہو کر جواد سے پوچھتی کہ لفظ پیار ہوتا کیا ہے؟ اور اس وقت گھر کی طرف جاتی فٹ پاتھ پہ دھیرے دھیرے چلتی زوفی پیار کے گورکھ دھندے میں الجھ رہی تھی اور جواد اس سے پیار کی تشریح چاہتا تھا۔ زوفی اسے یہ نہیں کہہ سکی تھی کہ "پیار" اس کے سلیبس کا حصہ نہیں تھا۔ نہ نصاب میں شامل تھا۔ البتہ اس نے ایک مختلف بات ضرور کی تھی۔

"مجھے پیار پہ یقین ہے۔" اس کا جواب حیران کن تھا۔ اگر جواد اس سے پوچھ لیتا "کیسے یقین ہے؟" تو زوفی بھلا کیا جواب دے سکتی تھی؟ اس کے پاس ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل بھی نہیں تھی۔ کوئی جواز بھی نہیں تھا لیکن جواد نے ایسا سوال نہیں کیا تھا بلکہ اس نے کوئی بھی سوال نہیں کیا تھا بس اس نے ایک حیران کن بات زوفی کو بتائی تھی۔ اتنی حیران کن کہ زوفی لمحہ بھر کے لیے بھونچکی رہ گئی تھی۔

یہ سر جواد کیا کہہ رہے تھے؟ کیا؟۔۔۔ وہ چونک کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"زوفی! انکھولی! مجھے پیار ہو گیا ہے۔" سرمئی پھیلتی شام میں ایک سایہ سا اس پہ ٹھہر گیا تھا۔ زوفی ہکا بکا سی جواد کا چہرہ دیکھتی رہی۔

وہ اپنی منتھ کلاس کی اسٹوڈنٹ سے کیسی بات کر رہا تھا؟ کیوں؟ آخر کیوں؟

اسے یہ بات اپنی "آپا" کو بتانی چاہیے تھی۔ زونی کو کیوں بتا رہا تھا؟

"میں اتنا بے بس ہوں کہ بتا نہیں سکتا۔ یہ سب اچانک ہوا۔ بہت اچانک۔ تمہیں کیا خبر زونی! یہ پیار محبت کی "واردات" بالکل اچانک ہوتی ہے۔" وہ بالوں کو انگلیوں میں جکڑتا گہری کرب ناک اذیت میں مبتلا تھا۔ زونی کو اس پہ ترس آنے لگا۔ وہ اس کی تکلیف کو کیسے کم کر سکتی تھی؟ وہ اس کی اذیت کو کس طرح سے کم کر سکتی تھی؟

"اف سرجو اونے یہ کیسا روگ پال لیا تھا۔" زونی دکھی دل کے ساتھ سوچ رہی تھی سرمئی شام اس پہ عکس تان رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دنوں کو جیسے "پر" لگے ہوئے تھے۔ ابھی کل اتوار گزرا تھا اور آج پھر اتوار سر پہ کھڑا ہو گیا۔ اتوار والے دن اکیڈمی سے چھٹی ہوتی تھی۔ میران بھی پورا دن گھر میں رہتا تھا۔ بس اس وقت گھر سے نکلتا جب مارکیٹ سے سامان وغیرہ لانا ہوتا تھا۔ زونی ہفتہ وار صفائی منا رہی تھی۔ ہر اتوار وہ پورا گھر صاف کرتی تھی۔ پردے کشن کورز وغیرہ جھاڑتی پونچھتی۔ لیکن آج اس نے مشین لگائی تھی اور سارے پردے کورز، چادریں وغیرہ مشین میں ڈال دی تھیں۔ جب تک میران سو کر اٹھا تھا تب تک زونی نے آدھے سے زیادہ کپڑے دھو لیے تھے وہ فریش ہو کر تولیہ گلے میں ڈالتا باہر آیا تو زونی دھڑا دھڑ کپڑے بالٹی میں نکال رہی تھی۔ میران کے ہونٹوں پہ اس کا "سگھڑاپا" دیکھ کر مسکراہٹ آگئی تھی۔

"زونی! تم بہت گھر ہستن ہوتی جا رہی ہو۔" وہ سیڑھی کے نچلے اسٹیپ پہ بیٹھ گیا تھا۔ زونی الجھے بکھرے بالوں کو کانوں پیچھے اڑستی چونک گئی تھی۔ پھر میران کو دیکھ کر سادگی سے بولی۔

"تو پھر کون کرے؟ کپڑوں کا اتنا ڈھیر جمع ہو رہا تھا۔"

"تم آنٹی سے کہو نا۔ کسی میڈ کا بندوبست کر دیں۔" میران نے ذرا سنجیدگی سے مشورہ دیا تھا۔ زونی نے نفی میں سر ہلایا۔

"آنٹی کو خود نہیں مل رہی۔"

"پھر تو یہ مسئلہ ہوا نا۔" وہ متفکر ہو چکا تھا۔ زونی بے چاری پہ کس قدر کاموں کا برڈن تھا۔ اسے آج اندازہ ہو سکا تھا۔ کچن میں پریشر ککر چل رہا تھا۔ سلیب پہ پرات میں گیلا کیا آٹا رکھا تھا۔ پانی ڈال کر تاکہ نرم ہو سکے اور آسانی سے گوندھا جائے۔ میز پہ زونی کے نوٹس رکھے تھے۔ گاہے بگاہے وہ ان پہ بھی نظر ڈال رہی تھی۔ ساتھ کپڑے بھی دھو رہی تھی۔ جب سوکھ جاتے تو استری الگ کرنے پڑتے۔ میران اس کی ننھی جان پہ اتنا "بار" دیکھ کر رہ نہیں سکا تھا۔ اوپر سے دادا کی بازگشت نے بھی اچانک دھاوا بول کر پریشان کیا تھا۔

"میری زونی کا بہت خیال رکھنا۔"

اسے زونی پہ بڑا ترس اور پیار آیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر زونی کے پاس آگیا۔ پھر اس نے بالٹی اٹھا کر زونی سے کہا۔

"میں یہ پھیلا آتا ہوں۔" وہ پچھلی طرف لگی الگنی پہ کپڑے ڈالنے چلا گیا تھا۔ زونی کے ہزار انکار اور نہ نہ کے باوجود بھی۔ پھر اس نے زبردستی زونی کو اٹھایا۔

"جاؤ تم ناشتا بناؤ۔ میں مشین سے کپڑے نکالتا ہوں۔"

"میرو! آپ کس طرح۔۔۔" وہ تذبذب کا شکار تھی۔ ہکلا رہی تھی۔ میران نے نرمی سے اسے کچن کی طرف دھکیلا۔

"میں پراٹھا نہیں بنا سکتا۔ ورنہ خود بنا لیتا۔"

"آپ بھی نا میر!" زونی جھنجلا کر کچن میں چلی گئی تھی۔ پھر جب تک وہ آملیٹ پراٹھا اور چائے بنا کر لائی تب تک میران نے مشین دھو کر سکھا بھی دی تھی۔ اب وہ کپڑے الگنی پہ ڈالنے گیا تھا۔ واپس آیا تو سوکھے کپڑوں کا ڈھیر اٹھا رکھا تھا۔ زونی نے میران کے ہاتھ سے کپڑے پکڑ لیے۔ اب وہ کارپٹ پہ بیٹھ کر تہیں لگا رہی تھی اور میران ناشتا کرتے ہوئے بغور زونی کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں گم تھی۔ لیکن میران کی نظروں کا ارتکاز اس نے جلدی محسوس کر لیا تھا۔ وہ ذرا گھبرا سی گئی تھی۔ پھر ایک تہہ اٹھا کر اندر رکھ آئی، جب وہ دوبارہ واپس آئی تب میران گہری سوچ میں تھا۔ زونی ایک دو مرتبہ چور نگاہ ڈال کر اپنے کام میں لگ گئی تھی۔ لیکن اس کا دھیان میران کی طرف ہی تھا۔

تھوڑی دیر بعد زونی نے خود ہی میران کو مخاطب کیا۔

"چائے ٹھنڈی ہوتی جا رہی ہے۔" اس کی آواز سن کر میران چونک گیا تھا۔ پھر وہ گہری سوچوں کے بھنور سے بھی نکل آیا تھا۔ اس نے چائے کا کپ بھی اٹھا لیا تب زونی نے دوبارہ کہا۔

"گرم کر لاؤں؟"

"نہیں۔ بہتر ہے۔" میران نے اشارے سے منع کر دیا تھا۔ زونی خائف سی بیٹھ گئی۔ نجانے کیا مسئلہ تھا؟ وہ کیوں اتنا سنجیدہ ہو گیا تھا؟ وہ دل ہی دل میں جوڑ توڑ لگانے لگی تھی۔ معاً میران کی بہت سنجیدہ سی آواز ابھری تھی۔ زونی چونک کر دیکھنے لگی۔

"زونی! تمہاری اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے میں کتنا عرصہ درکار ہوگا؟" اس کا سوال زونی کو حیران کر گیا تھا، یہ زونی سے پوچھنے والی بات تو نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا زونی کی تعلیم مکمل ہونے میں کتنا عرصہ لگ سکتا تھا، پھر اس سے کیوں پوچھ رہا تھا۔ زونی بس اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"تقریباً" چار سال تو لگے ہیں۔۔۔ مزید اگر تم چاہو گی تو دو سال اور۔۔۔ اور کل ملا کر چھ سال یہ تو بہت لمبا عرصہ ہوگا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ بولتا ہوا زونی کے ہونق چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ زونی بھلا کیا جواب دیتی؟ وہ ٹکر ٹکر اس کی صورت تکتی رہی تھی۔ وہ اس وقت خاصا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"کبھی کبھی ناگہانی سچویشن میں انسان کو بروقت اسٹینڈ لینا چاہیے مجھے لگتا ہے۔۔۔ دادا کا فیصلہ بالکل ٹھیک تھا۔" وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا اور پھر سابقہ سنجیدگی سے دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔ زونی جانتی تھی وہ دادا کے کس فیصلے کی تعریف کر رہا تھا؟ وہ دادا کے کس فیصلے کو اس وقت درست کہہ رہا تھا۔

"زونی! انسان کبھی بھی اپنی عمر سے بڑا نہیں ہوتا۔ انسان کو تجربہ بڑا کرتا ہے۔" میران کی سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔

خالی کپ کو ٹیبل پہ کھسکا کر سیدھا ہوا۔

"تمہارا کوئی بھی بڑا اب اس دنیا میں نہیں۔۔۔ کوئی قریبی عزیز بھی نہیں۔۔۔ میں اس وقت تمہارا "بڑا" ہوں۔۔۔ تم سے بڑا بھی ہوں۔۔۔ اور تمہارا قریبی عزیز بھی ہوں۔" وہ تمہید سے قریب تر اصل بات کی طرف آ رہا تھا۔ زونی کا دل دھک دھک دھڑکنے لگا۔

"زونی! میں نے بہت سوچ کر ایک فیصلہ کیا ہے۔" میران نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد کہا تھا۔ زونی کا روم روم کان بن گیا۔ وہ بڑے غور اور دھیان سے میران کو سن رہی تھی۔ میران کیا کہنے والا تھا؟ وہ کون سا دھماکا کرنے والا تھا؟

"گو کہ یہ قبل از وقت ہے۔ پھر بھی میں چاہتا ہوں۔ تمہیں اس کمرے سے اپنے کمرے تک لے آؤں۔" میران نے جیسے دو جملوں میں بات مکمل کر دی تھی، زونی ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ میران کا واضح اشارہ کس بات کی طرف تھا۔

☼ ☼ ☼

باہر چلچلاتی دھوپ لشکارے مار رہی تھی۔ آج غضب کی گرمی تھی۔ بارشوں کے بعد والا حبس ناقابل برداشت تھا۔ پسینہ پانی کی طرح بہتا اور لوڈشیڈنگ کے طفیل رات رات بھر لائٹ نہیں آتی تھی۔ یوں نیند تو بالکل پوری نہ ہوتی۔ اس کی طبیعت بھی کچھ خراب تھی۔ رات سے فلو ہو رہا تھا۔ اوپر سے رات بھر بجلی کی وجہ سے ٹھیک طرح نیند بھی نہیں آئی تھی۔ سر بہت بھاری تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔

جب وہ کچن میں آئی تو سر چکرا رہا تھا اوپر سے میران کی کل والی باتیں ذہنی انتشار کا باعث تھیں اور جب وہ میران کی باتوں کو سوچتی تو الجھنے لگتی۔ کہاں تو وہ دادا کے

ہر فیصلے پہ اختلاف رکھتا تھا۔ ان کے آخری دم تک مخالفت اور انکار کرتا رہا۔ بعد میں جیسے تیسے "بہ مجبورا" جو بھی اس نے کیا انتہائی بے بسی کی حالت میں کیا۔ لیکن زوفی تو جانتی تھی میران نے دل سے کوئی بھی فیصلہ قبول نہیں کیا تھا۔ اور وہ میران پہ کیوں زبردستی مسلط ہوتی؟ ٹھیک ہے وہ وقت ایسا تکلیف دہ تھا جب وہ خود بھی کسی انکار یا اعتراض کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ لیکن اب حالات ویسے نہیں تھے۔ اس کے ذہن میں سر جواد اور نائلہ آنٹی کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"زوفی! تم بہت انٹیلی جینٹ ہو۔ اسٹڈیز کو ڈراپ کبھی بھی نہ کرنا۔ تمہیں بہت آگے تک جانا ہے۔" سر جواد کی باتیں اس کے حوصلے اور ہمت کو بڑھاتی تھیں۔ وہ اور بھی ولولے اور جوش سے پڑھتی۔ سر جواد کہتے تھے۔ "اسے دوسروں پہ انحصار نہیں کرنا چاہیے۔" دوسروں میں "میران" ہی شامل تھا۔ جس پہ زوفی انحصار کرتی تھی اور ہر قدم اس سے پوچھ کر اٹھاتی تھی۔ لیکن سر جواد کہتے تھے اسے ان ڈیپینڈنٹ ہونا چاہیے۔ خود مختار ہونا چاہیے۔ اپنے ڈیسیزن خود لینے چاہیے۔ وہ دوسروں کی انگلی پکڑ کر چلنا چھوڑ دے۔" وہ بااعتماد نہیں تھی۔ لیکن سر جواد کہتے تھے "وہ بااعتماد ہو سکتی تھی اگر وہ پہلے مڑ مڑ کر میران کی طرف دیکھنا چھوڑ دیتی تو۔"

"میران تمہاری زندگی پہ بہت حاوی ہے۔" ایک دن کلاس کے بعد سر جواد نے باتوں باتوں میں زوفی سے کہا تو اس نے اندر ہی اندر تسلیم کرلیا تھا۔ واقعی ہی میران اس کی زندگی پہ بہت حاوی تھا۔ لیکن اب ایسا ہونے والا نہیں تھا۔ میٹرک کے رزلٹ کی کامیابی کے بعد ایف ایس سی میں ایڈمیشن پہلی مرتبہ اس نے میران کی مخالفت کے بعد لیا تھا۔ اس نے کالج بھی اپنی پسند کا چوز کیا تھا، جو گھر سے بہت دور تھا اور سبجیکٹ بھی من پسند رکھے تھے۔ میران چاہتا تھا وہ آئی سی ایس کرلے۔

کیوں کہ اگر وہ میڈیکل میں جاتی تو اسے گھر اور اسٹڈیز کو مینیج کرنا بہت مشکل ہو جاتا تھا۔ لیکن یہاں پہ زوفی نے پہلی مرتبہ اس سے اختلاف کیا تھا۔ وہ نہ صرف سختی کے ساتھ اپنی ضد پہ اڑی رہی تھی بلکہ اس نے میران کو بھی مجبور کردیا تھا تاکہ وہ اس کی بات مان سکے۔ اور یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ جو زوفی اتنا روڈلی بی ہیو کرتی رہی تھی۔ میران اچھا بھلا شاکڈ رہ گیا تھا۔

"زوفی! تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہیں۔۔۔ میں جو بکواس کر رہا ہوں وہ تمہارے دماغ میں کیوں نہیں سماتی۔" وہ تپ کر بولا تھا۔

"کاش کہ ہمارے ماں باپ ہوتے یا صرف تمہارے ہی ہوتے یا دادا ہی نہ مرتے۔ کم از کم کوئی تو تمہیں سمجھانے والا ہوتا۔ اب میں تمہیں کون کون سی "باریکیاں" سمجھاؤں؟" میران غصے میں کھول رہا تھا۔

"تم کچھ نہیں مینیج کرسکوں گی۔ میڈیکل کی تعلیم بہت مشکل ہے اور ایک گھر بار والی لڑکی کے لیے اور بھی مشکل۔ جس کو سپورٹ کرنے کے لیے کوئی بزرگ عورت بھی نہ ہو۔ آخر میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟" وہ بری طرح سے چڑ گیا۔

"میں بھی تو پڑھتی ہوں۔ گھر بھی دیکھتی ہوں۔" اس نے پہلی مرتبہ تیز لہجے میں بات کی تھی۔ میران غصے بھری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"اب اور تب میں فرق ہوگا۔ محض دو مہینے تک تمہاری زندگی میں تبدیلی آجائے گی۔"

"کیسی تبدیلی؟" وہ بھی غصے میں بولی تھی۔ "مجھے کوئی تبدیلی قبول نہیں۔ مجھے پڑھنا ہے۔" زوفی ضدی انداز میں گویا ہوئی تھی اور یہ ضد کسی اور کی ودیعت کردہ تھی۔ اس کی اپنی سرشت میں "ضد" تو تھی نہیں۔ میران چونکا یا ٹھٹکا کیوں تا۔

"تو پڑھتی رہنا۔ میں کب روک رہا ہوں۔ لیکن میڈیکل نہیں۔" اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"کیوں نہیں! آپ خرچہ کرنے سے ڈرتے ہیں۔" زوفی نے ایک بے تکی بات کرکے اسے اور بھی غصہ دلادیا تھا۔ میران سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا رہا۔

اب تو اسے یقین ہو چکا تھا زوفی کسی کی باتوں میں آکر بکواس کرتی جارہی ہے۔

"جسٹ شٹ اپ زوفی!" وہ بہت شدت کے ساتھ چلایا تھا۔ "میرا میٹر مت گھماؤ۔۔۔ ورنہ ایک طمانچہ دے ماروں گا۔ بس دادا کی وجہ سے لحاظ کرتا جارہا تھا ابھی تک۔۔۔ ورنہ تمہیں اس بدتمیزی کا مزا چکھا دیتا۔ تمہیں تکلیف ہوئی تو دادا کو بھی تکلیف ہوگی۔ اور تم میری نرمی کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔" اس کا انداز وارننگ دینے والا تھا۔

"اور جو تم نے طعنہ دیا ہے وہ نرا فضول ہے۔ میں تمہارا ایف ایس سی میں ایڈمیشن کروا دیتا ہوں۔ لیکن آگے تم بی ایس کرو گی میڈیسن نہیں پڑھوں گی دیٹس آل۔" وہ غصے میں بھناتا اٹھ کر چلا گیا تھا۔ لیکن اس نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ نائلہ سے ضرور بات کرے گا تاکہ وہ زوفی کو سمجھائے کیوں کہ نائلہ کی بات وہ سمجھ سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کالج سے باہر نکلی تو وین کا دور دور تک کوئی نشان نہیں تھا۔ جانے آج وین کہاں رہ گئی تھی؟ وہ قدرے پریشان سی ہوگئی۔ ابھی اس نے موبائل پرس سے نکالنا چاہا ہی تھا کہ میران کو کال کرسکے۔ جب اچانک اس کے قریب بائیک آرکی تھی۔ زوفی ڈر کر تھوڑا پیچھے ہٹی تھی۔ سامنے دیکھا تو سر جواد نظر آئے۔ زوفی کی جیسے جان میں جان آگئی تھی۔

"اوف اس وقت تو کچھ اور بھی مانگ لیتی تو مل جاتا۔" اس نے بے ساختہ تشکر بھرا سانس خارج کیا تھا جواد نے اس کی خوشی اور جوش کو دل سے محسوس کیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے زوفی اسے دیکھ کر غیر معمولی خوشی ہوئی ہے۔ جواد کے لیے یہ احساس بہت دلنشین قسم کا تھا۔

"تشریف رکھیے محترمہ!" جواد نے اک ادا سے کہا تھا۔ زوفی کھلکھلاتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔ بیگ اس نے گود میں رکھ لیا تھا تاہم جواد کے ساتھ بیٹھنے میں کچھ فاصلہ برقرار تھا جو جواد کو بڑی شدت کے ساتھ کھلا تھا۔

"آج وین نہیں آئی۔" وہ جواد کو بتا رہی تھی۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے۔" جواد نے مسکرا کر کہا تھا۔ زوفی بغیر سمجھے مسکرادی۔

"میں میرو کو فون کرنے لگی تھی تب ہی آپ دکھائی دے گئے۔"

"کہا نا۔۔۔ یہ میری خوش نصیبی ہے۔" اس نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تھی۔ پھر ذرا چونک کر بولا۔

"یہ تم میرو پہ انحصار کرنا کب چھوڑوں گی؟ تم کالج گرل ہو؟ سمجھدار ہو یار! یہاں سے کوئی رکشہ پکڑتی اور گھر چلی جاتی۔"

"اور میرو سے ڈانٹ کون کھاتا؟" اس نے تھوڑا خوف زدہ انداز میں کہا۔

"ایک تو تمہارا میرو حد سے زیادہ حاوی ہے تم پہ۔۔۔ ہر جگہ بے جا مداخلت کرتا ہے جو مجھے پسند نہیں ہے۔" جواد کے لہجے میں سخت قسم کی بے زاریت تھی جسے زوفی نے محسوس نہیں کیا تھا۔

"تم اسے روکتی کیوں نہیں۔ ایک مرتبہ منہ توڑ جواب دو تو صاحب بہادر کو مزا آجائے۔"

"کیسے روک سکتی ہوں؟ ہمارے گھر میں شروع سے وہی فیصلے کرتے ہیں۔" زوفی نے بے بسی دکھائی تھی۔ جواد کو بے طرح سے تاؤ آگیا۔

"مائنڈ مت کرنا زوفی! تمہارے دادا کی ڈیتھ کے بعد تمہارا میران کی موجودگی میں ایک چھت کے نیچے رہنا بنتا ہی نہیں۔" وہ کب سے اس موضوع پہ بات کرنا چاہتا تھا۔ صد شکر کے آج یہ موقع مل گیا تھا۔ جس طرح زوفی ہر بات نائلہ اور جواد کی دل سے مان لیتی تھی۔ اسے امید تھی یہاں بھی فوراً" عمل کرے گی۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی آنکھ سے دیکھتی تھی اور دوسروں کی انگلی پکڑ کر چلتی تھی۔

"یہ بات تو آنٹی نے بھی سمجھائی تھی۔" اس نے تسلیم کرلیا۔

"تم نے پھر عمل کیا۔" اس کا انداز گہرا کاٹ دار طنزیہ تھا۔ زوفی ہونٹ کاٹتی رہ گئی تھی۔

"اپنا گھر چھوڑ کر بندہ کہاں جائے؟ ہم شروع سے اکٹھے رہتے آئے ہیں۔" اس نے اپنے تئیں کمال کا جواز پیش کیا تھا جسے جواد نے رد کر دیا۔ وہ اس کی ہر بات ایسے ہی رد کر کے اپنی منواتا تھا۔ دراصل محض ان تین چار مہینوں میں آنٹی اور جواد اس کی زندگی پہ خاصے حاوی ہو چکے تھے۔ یوں لگتا زوفی ان کے زیر تسلط تھی۔ وہ اس کا خیال بھی رکھتے تھے۔ احساس بھی کرتے تھے۔ مشورے بھی دیتے تھے۔ زبردستی عمل بھی کروالیتے تھے اور زوفی کو پتا بھی نہیں چلتا تھا جیسا کہ میڈیکل میں جانے کا مشورہ سراسر جواد کا تھا۔

"وہ انسان ہوتا تو خود ہی کہیں اور شفٹ ہو جاتا۔" جواد نے زہر خند لہجے میں کہا تھا۔

"اور حیرت کی بات ہے۔ یہ پوری کالونی والے ویسے تو کسی کی چھوٹی سی غلطی کو معاف نہیں کرتے' لیکن تم لوگوں کے معاملے میں بولتے ہی نہیں۔" شدید غصے میں جواد نے بائیک کے ہینڈل پہ ہاتھ مار کر غصہ نکالنا چاہا تھا۔

زوفی جمپ لگنے کی وجہ سے اسے "ٹھوس" جواب دیتے دیتے رہ گئی تھی۔ اس کا دھیان ہٹ گیا تھا۔ ورنہ وہ اسے بتا دیتی کہ کالونی والے کیوں نہیں کسی قسم کا اعتراض کرتے تھے۔

"زوفی! تمہیں اب اسٹینڈ لے لینا چاہیے۔" کچھ دیر بعد جواد کا غصہ اتر گیا تو اس نے زوفی کو مزید سمجھانا چاہا۔

"کیسا اسٹینڈ؟" وہ تو فرائی چکس کی بلڈنگ دیکھ کر ہکلا گئی تھی۔

"یہ ہم کہاں آگئے؟" وہ مارے گھبراہٹ کے ہونق ہو گئی تھی۔

"فرائی چکس تمہیں لزانیہ پسند ہے نا۔۔۔؟" جواد نے اب کہ بڑی ملائمت سے کہا تھا۔ زوفی نے بے ساختہ آنکھیں میچ کر نفی میں سر ہلایا۔ اس کا چہرہ اچانک سپید پڑ گیا تھا۔

"نہیں۔۔۔" وہ گھبراہٹ میں برابر سر ہلاتی رہی تھی۔ دائیں اور بائیں۔ کچھ سوچ کر جواد نے بائیک کا رخ موڑ لیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے وہ لزانیہ پیک کروانے اندر چلا گیا جب واپس آیا تو زوفی ٹپ ٹپ آنسو بہا رہی تھی۔ جواد بری طرح سے چڑ گیا۔

"اب کیا ہوا ہے؟"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میرو کو پتا چلا تو ناراض ہوں گے۔" وہ سسکتی رہی۔

"اسے کون بتائے گا؟ تم فکر مت کرو۔ ویسے بھی میں جلدی تمہارے اس "خوف" کا سدباب کرتا ہوں۔ اس میران نام کے "ہولے" سے تمہاری جان چھڑواتا ہوں۔" جواد نے پرعزم لہجے میں کہا تو زوفی رونا بھول کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼
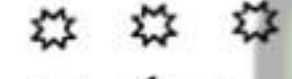
کمپاؤنڈ کے ایک طرف گرڈھل کا سایہ دار درخت تھا۔ جس کا پھل ان دنوں پک رہا تھا۔ گرمیوں میں یہ پتوں سے لد جاتا تھا۔ اس کا پھل بھی بے بہا لگتا۔ گرڈھل کا پھل گر گر کے زمین پہ گرتا اور وہیں گل سڑ کے ڈھیر ہو جاتا تھا۔ کبھی مہینوں بعد کمپاؤنڈ کی صفائی جمعدار کرتا تھا۔ زوفی سے رہا نہ گیا تو جھاڑو پکڑ کر پورے کمپاؤنڈ کی صفائی کر ڈالی تھی۔ وہ تھک کر باہر سیڑھیوں پہ ہی بیٹھ گئی تھی۔ پھر یوں ہی خیال آیا تو دادا کے ہاتھ سے لگائے پودوں کو پانی دینے لگی۔ کتنے خشک بے جان اور مرجھا رہے تھے۔ زوفی کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ کس قدر لاپروا تھی۔ دادا کی محنت سے لگائی چیزوں کی حفاظت نہیں کر پا رہی تھی۔ ان دنوں اس کا دل بہت رنجیدہ تھا۔ نجانے کیوں یوں لگتا تھا جیسے کچھ برا ہو کر رہے گا۔ ایسے ہی دل کو ایک دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ وہ سارے گملوں میں پانی لگا کر دوبارہ وہیں سیڑھیوں پہ آبیٹھی تھی۔ میران اپنے آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا۔ جب کمپاؤنڈ میں داخل ہوا تو سامنے ہی گھٹنوں میں سر دیے زوفی کو بیٹھا پایا تھا۔ پورا احاطہ چمک رہا تھا۔ گملوں میں پانی موجود تھا۔ میران کو اک گونا سکون کا احساس ہوا۔ بہت دن بعد زوفی نے گھر کو پہلی والی توجہ سے نوازا تھا۔ وہ کیوں نا خوش ہوتا؟ کرولا کو روک کر کے وہ جیسے ہی زوفی تک آیا زوفی خود ہی قدموں کی آہٹ پا کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔ پھر وہ دونوں آگے پیچھے ہی اندر داخل ہوئے تھے۔ میران نے اپنا بیگ' موبائل اور ٹائی اتار کر زوفی سے کہا۔

"جلدی سے کھانا لگا دو۔ سخت بھوک لگی ہے۔"

وہ سر ہلا کر کچن میں چلی گئی تھی۔ اس کے ایڈمیشن والی تلخ کلامی کے بعد آج پہلی مرتبہ دونوں کی بات ہو رہی تھی۔ ورنہ زوفی کے من پسند کالج میں ایڈمیشن کروا کر وہ قطعی طور پہ لاتعلق ہو چکا تھا۔ اور یہ اس کی خفگی کا اظہار تھا۔ اتنے دنوں سے کھانا وغیرہ بھی نہیں مانگ رہا تھا۔ کپڑے استری ہوتے تو ٹھیک ورنہ خود الٹے سیدھے پریس کرتا اور پہن کر چلا جاتا تھا۔ اسے کہاں کپڑے پریس کرنا آتے تھے۔ چائے بھی خود بنا کر پیتا تھا۔ زوفی کو زحمت نہ دیتا۔ کافی دنوں سے یہی سلسلہ چل رہا تھا۔ جو انجام بخیر ہوا۔ زوفی بھی بالکل تھک بنی رہی تھی۔ منانے کی کوشش میں نہیں پڑی تھی۔ اسے جواد نے سمجھایا تھا۔

"اتنا میران کو سر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ غلطی میران کی ہے وہی تسلیم کرے۔ زوفی کو جھکنے کی ضرورت نہیں۔۔۔" جواد کی باتوں پہ عمل پیرا زوفی اندر سے خاصی مضطرب تھی گھر کی ہر چھوٹی بڑی بات جواد سے ڈسکس کرنے کے بعد دل ضرور ہلکا ہو جاتا تھا تاہم اندر کہیں کچھ "کلک" بھی لازمی کرتا۔ جو ایسا خوش کن نہیں تھا۔ وہ چاہ کر بھی اندر پنپتے احساس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی اور آج میران نے خود ہی ناراضی ختم کر دی تھی۔ وہ نہ صرف زوفی سے مخاطب ہوا بلکہ بڑے انداز میں مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"جس پروجیکٹ پہ کام ہو رہا تھا۔ وہ ختم ہو چکا تھینک گاڈ' اب میں فی الحال فارغ ہوں۔ اور اس فراغت کو کچھ اور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔" اس کا انداز ہلکا پھلکا تھا اور پچھلی ناراضی کا کوئی شائبہ تک نظر نہیں آتا تھا۔

"مثلاً" کیسے؟" زوفی کے منہ سے بے ارادہ ہی پھسل پڑا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے مسکرایا تھا۔ جیسے وہ سب کچھ پہلے سے طے کر چکا تھا اور محض زوفی کو اطلاع دی جا رہی تھی۔ زوفی کو اندر ہی اندر پریشانی سی ہوئی۔

"ابھی تو تمہیں صرف اتنا کرنا ہے رات کو گھر میں کھانا مت پکانا۔ پھر سہ پہر کے بعد شاپنگ کرنے چلیں گے۔ تم اپنے لیے گرمیوں کے کپڑے خرید لو۔ اور کچھ مزید بھی۔ وہ بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی میں سونے جا رہا ہوں۔ جب اٹھوں گا تو مزید تمہارے سر پر بجلیاں گراؤں گا۔" میران مسکراتا ہوا اٹھا تھا پھر اس کا سر سہلاتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ آج اس کی ترنگ ہی زالی تھی۔ زوفی کا دل دھک سے رہ گیا تھا اس کی آنکھیں کھلنے لگیں۔ دماغ الگ کوئی گھنٹی بجا رہا تھا۔ اس کے اندر بھی کچھ کلک کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا کچھ ہونے والا تھا؟" زوفی کی آنکھوں میں تارے سے ناچنے لگے۔

پچھلے دو دن سے مسلسل نائلہ و جواد اسے ایک بات کے لیے اکسا رہے تھے۔ اس کا کل اور آج کا دن تو بڑا مصروف گزرا تھا۔ کالج میں ٹیسٹ چل رہے تھے۔ وہ سلسلہ ختم ہوا تو میران اسے شاپنگ پہ لے گیا اور شاپنگ بھی ایسی کہ زوفی نے زندگی میں نہ کی ہوگی۔ ایسے ایسے فینسی' امبر ائڈڈ اور خوب صورت کپڑے جوتے' میک اپ باکس زوفی حیران ہوتی جا رہی تھی۔ میران نے خود ہی ساری شاپنگ مکمل کی تھی۔ رات کو اچھا سا ڈنر اور رومانٹک ماحول۔ زوفی کے دل کو تب سے ہی کھٹکے لگ گئے تھے۔

میران کے انداز و اطوار بہت مختلف تھے۔ پہلے سے بے انتہا الگ اور منفرد۔ یوں لگتا تھا وہ کچھ ٹھان چکا ہے۔ کچھ ہونے والا ہے؟ یا کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے؟

زوفی دل ہی دل میں سخت متوحش تھی۔ تاہم پہلی مرتبہ اس نے جواد اور نائلہ کو اپنے خدشات اور میران کے بدلتے اطوار کا نہیں بتایا تھا۔ شاید بتا دیتی تو وہ لوگ کچھ پیش بندی کر دیتے۔ کم از کم زوفی کے لیے وہ

دونوں بہن بھائی بہت مخلص ثابت ہوئے تھے۔ اور ابھی وہ پالک کے پتے چنتی سخت ہراساں تھی۔ اس کا ذہن بہت الجھنوں کا شکار تھا۔ بار بار خیالی رو بھٹک جاتی تھی۔ دل میں عجیب سے وسوسے تھے۔

آج صبح جب وہ دودھ والے سے دودھ لے کر اندر آرہی تھی تب نائلہ آنٹی نے اسے راستے میں ہی روک لیا تھا۔ وہ اپنے دروازے کے باہر کھڑی تھیں۔ زونی اندر جاتے جاتے رک گئی تھی۔ پھر نائلہ کے پاس آگئی۔ نائلہ اس وقت خاصی پریشان لگ رہی تھی۔ زونی بھی کچھ متفکر ہوگئی۔

جانے نائلہ کیوں پریشان تھی؟

زونی نے خود ہی نائلہ سے پوچھ لیا تھا، لیکن وہ اس کا سوال نظر انداز کرکے بولی۔

"تم کل اسٹائل ان میں گئی تھیں زونی۔۔۔!" نائلہ کا انداز کچھ کھوجتا ہوا تھا۔ ہلکی سی برہمی بھی جھلک رہی تھی۔ زونی کا سر اثبات میں ہل گیا اور ساتھ ہی نائلہ کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔

"کس کے ساتھ؟"

"میران اور میں۔۔۔" زونی نے کچھ جھجکتے ہوئے بتایا تھا۔ نائلہ کی آنکھوں میں سخت ناگواری بھر گئی تھی۔ اس نے گہرا سانس کھینچ کر بے ساختہ ہی کہا تھا۔

"تب ہی تو۔۔۔" نائلہ کچھ کہتے کہتے اچانک رک گئی تھی۔ زونی اس کے ادھورے جملے پہ گھبرا گئی۔

"کیا بات ہے آنٹی!" اس نے متفکر انداز میں پوچھا تھا کیوں کہ نائلہ کے تاثرات بتا رہے تھے۔ بات کچھ بڑی ضرور ہے۔

"کچھ نہ ہی پوچھو تو بہتر ہے۔ تمہارا دل ہی جلے گا۔ تمہیں تکلیف ہی ہوگی اور میں تمہیں کسی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔" نائلہ کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی نمکین پانی بھر گیا تھا۔ جو اس بات کی واضح نشانی تھا کہ نائلہ، زونی کے ساتھ کس حد تک مخلص تھی۔

"آنٹی بتائیں نا۔ اب تو مجھے اور گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" زونی نے اصرار کیا۔ اب تو وہ کسی بھی صورت آنٹی سے پوچھ کر دم لینا چاہتی تھی۔ جانے بات کیا تھی؟ اسے لگ رہا تھا۔ کوئی معمولی بات تو ہرگز نہیں ہوگی۔

"سن کر اور بھی گھبراہٹ ہوگی۔ نہ پوچھو مجھ سے۔ اپنی اس زبان سے کیسے وہ الفاظ ادا کروں جو ابھی ابھی سن کر آئی ہوں۔" نائلہ نے دوپٹے کا کونا پکڑ کر اپنی آنکھیں مسلتے ہوئے کہا تھا۔ زونی کا دل اور بھی گھبرا گیا۔

"کیا سنا ہے؟ کس نے کیا کہہ دیا۔۔۔؟"

"بس لوگوں کی لمبی زبانیں ہیں۔ کس کس کو پکڑ سکتے ہیں؟ کس کس کو روک سکتے ہیں۔" نائلہ نے ترشی سے کہتے ہوئے زونی کے ہاتھ سے دودھ لے کر اندر فریج میں رکھ آئی تھی۔ پھر زونی کا بازو پکڑ کر صوفے پہ بٹھا دیا۔ نائلہ کس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی؟ زونی کو سمجھ آرہا تھا اور اس کا دماغ بھی گھوم رہا تھا اور اس کے ہر حفاظتی لفظ کی دیوار گرتی جارہی تھی۔ وہ اپنی سپورٹ کے لیے ایک جملہ بھی نہیں بول سکی۔ وہ بس ٹکر ٹکر نائلہ کو دیکھتی ہوئی ایک عجیب اذیت کا شکار ہو رہی تھی۔

"ہر ایک کی زبان روکی نہیں جاسکتی، لیکن اپنا عمل تو ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔ جو تمہارے بس میں ہے۔ تم وہ تو کرلو۔" نائلہ نے بات کے اختتام پر اسے اکسایا تھا۔ زونی ایک اذیت ناک سانس باہر نکال کر بمشکل بولی۔

"اور میرے بس میں کیا ہے؟" اس کے آنسو بنا تردد ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ وہ نائلہ کے بازو پہ سر رکھے بے تحاشا رونے لگی۔

"تم ہاسٹل شفٹ ہوجاؤ۔" نائلہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ اب زونی سے عمل کروانا باقی تھا۔

☼ ☼ ☼

پرات میں پالک کے پتوں کا ڈھیر لگ چکا تھا اور زونی اپنے خیالوں میں گم پالک چنتی غائب دماغی سے چھری اٹھا کر کاٹتی بھی جارہی تھی۔ کٹری ہوئی پالک کی اونچی سی پہاڑی بن چکی تھی۔ اب سارا "کترا" نیچے فرش پہ گر رہا تھا، لیکن زونی کو احساس تک نہیں تھا۔ اس کے دماغ میں نائلہ کے الفاظ بھاری ضرب کی طرح لگ رہے تھے۔ ایک ایک لفظ نوکیلا تھا۔ جہاں لگتا، کھب جاتا تھا۔ زخم چھوڑ دیتا تھا۔ خون رسنے لگ جاتا تھا۔ تو کیا اس کالونی میں ہر کوئی زونی کے "کردار" کو نشانہ بنا رہا تھا۔ اس کے دادا کی بنائی عزت کو درپردہ کچوکے لگائے جارہے تھے۔ ہر کوئی میران اور زونی کے "تعلق" کو ابھار کر دوسروں کی نظروں میں سوالیہ نشان بنا رہا تھا؟ اور لوگ زونی کو کیا سمجھ رہے تھے؟ وہ ان کی نگاہوں میں کس "سطح" تک آرہی تھی؟

زونی کو لگ رہا تھا۔ وہ دہکتے انگاروں پہ چل رہی ہے اور لوگ اس کے راستوں میں آگے بڑھ بڑھ کے کوئلے بکھیر رہے تھے۔

اسی لیے جب میران اچانک گھر آیا اور اس نے زونی کو چھیڑ دینے کی غلطی کرلی۔ تب زونی بھی جیسے پھٹ پڑی تھی۔ گو کہ اس نے بس چائے مانگنے کی غلطی کرلی تھی۔ زونی تو سات پتھر اٹھا کر پیچھے لپکی۔

"میں کسی کی نوکر نہیں ہوں۔" اس نے جل بھن کر بے انتہا غصے میں کہا تھا۔ میران اس کے قریب صوفے پہ بیٹھتا بیٹھتا چونک گیا۔

"ایں۔۔۔؟ یہ زونی کو کیا ہوا؟ اس طرح کیوں ری ایکٹ کیا؟ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ خاصا متفکر ہوچکا تھا۔

"زونی! تم ٹھیک ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔۔۔ اٹھ کر چائے بنا دو۔" میران نے نرمی سے دوبارہ پوچھ لینے کی غلطی کرلی تھی۔ زونی کا پارہ اور بھی سوا نیزے تک پہنچ گیا تھا۔

"مجھے ایک سو ستر ڈگری بخار چڑھا ہوا ہے۔ آئی سمجھ میں بات۔ مجھ سے چائے نہیں بنتی۔ نہ میں کسی کی نوکر ہوں۔" اس نے کٹی ہوئی پالک کا اور بھی کترا کرنا شروع کر دیا تھا۔ میران "دق" بیٹھا رہ گیا۔ پھر اس نے کچھ سنبھل کر کہا تھا۔

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ تمہیں ایک سو ستر ڈگری بخار ہی ہوگا۔ ورنہ ایسا غصہ تو کبھی نہیں چڑھا۔" وہ ملائمت سے بولا تھا۔ "اور جہاں تک نوکر کی بات ہے۔ تو میری نوکر تو تم ہی ہو۔ چاہے مانو یا نہ مانو۔" اس نے جان بوجھ کر ہلکا پھلکا انداز اپنایا تھا تاکہ اس کا پارہ کم کرسکے، لیکن یہ پارہ کم ہونے کی بجائے اور بھی چڑھ گیا تھا۔

"مجھ سے کچھ نہیں ہوتا۔ اپنی چائے خود بنالیں۔" اس نے تڑختے ہوئے کہا تھا۔ میران گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔ وہ اس کے غصے کی وجہ تلاشنا چاہتا تھا؟ پہلے تو کبھی زونی کو اس طرح کا غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ تو اچھی بھلی بدتمیز لگ رہی تھی۔ جانے اسے کیا ہوا تھا؟ کالج میں تو کوئی مسئلہ نہیں تھا؟ وہ سوچتا ہوا کچھ متفکر ہوگیا تھا۔

"آج چائے خود بنا لیتا ہوں۔ کل کو گی کھانا بھی خود بنالو۔ پھر کپڑے بھی خود دھونے پڑیں گے۔ خیر تو ہے نا۔۔۔؟" میران نے کچھ خفگی کا اظہار کیا۔

"تو عادت ڈالیں۔ اپنا کام خود کرنے کی۔" اس کا منہ پھول گیا۔ غصہ اب قدرے کم تھا، لیکن انداز وہی سابقہ تھا ہنوز برہم۔ وہ اچھا بھلا اٹھتے اٹھتے دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔

"تم کہاں جارہی ہو؟" اس کے لہجے میں واضح طور پر اچنبھا اور برہمی تھی۔ زونی نے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"آپ کو اندازہ ہوجائے گا۔"

"مطلب؟" میران نے بھنویں سکیڑلی تھیں۔ جو اس کے واضح طور پر ناگواری کی طرف اشارہ تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ مجھے کسی ہاسٹل شفٹ کروا رہے ہیں۔" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔ میران کا میٹر ہی گھوم گیا۔ اس کے حواسوں پہ جیسے بم گرا تھا۔ وہ آنکھوں میں بے یقینی بھرے اسے دیکھتا جارہا تھا۔ جیسے اسے زونی کی دماغی حالت پہ شبہ ہو۔

"ہاسٹل؟ مگر کیوں؟" میران نے بمشکل حواس درست کرکے ذرا سخت لہجے میں پوچھا۔

"میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ پوری کالونی

میں لوگ باتیں بناتے ہیں۔ میری بے عزتی کر رہے ہیں۔ وہ ہم دونوں پہ انگلی اٹھاتے ہیں۔ ہر ایک کے سامنے ہم سوالیہ نشان ہیں کیوں کہ ہمارا ایک گھر میں رہنا قطعی طور پہ مناسب نہیں ہے۔ لوگوں کی زبانیں نہیں روکی جاسکتیں، لیکن میں اپنے اوپر کسی کو "گند" گرانے نہیں دوں گی۔" زوفی جیسے پھٹ پڑی تھی۔ اب کہ میران کے تنے تاثرات بھی کچھ ڈھیلے پڑے تھے۔ وہ کیا سمجھ رہا تھا۔ اور بات کیا نکل رہی تھی؟ اور یہ زوفی کو کس نے کہا؟ کس نے بکواس کی؟ اور کیوں کی؟ وہ تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس کالونی میں کوئی میران پہ انگلی اٹھائے۔ ان کے دادا اس کالونی کی معزز شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ پوری کالونی میں ان کی بہت عزت تھی۔ لوگ دادا کو جھک کر سلام کرتے تھے۔ اسی طرح میران سے بھی بہت محبت اور عزت سے ملتے۔ اس نے تو آج تک کسی کی زبان سے کوئی برا لفظ نہیں سنا تھا۔ پھر یہ زوفی کیا کہہ رہی تھی؟ اس کا ذہن قبول نہیں کر پا رہا تھا اور ابھی کل کی بات ہے۔ بخاری صاحب کی بیوی میران کو روک کر زوفی کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔

وہ کیسے زوفی کی بے رخی پہ ایمان لے آتا؟

"یہ بکواس کس نے کی؟ تم تک کس نے پہنچائی؟" میران نے لب بھینچ کر غصہ کنٹرول کرتے ہوئے پوچھا تھا۔ تب زوفی بھرائی آواز میں بمشکل بولی۔

"ہر کوئی کر رہا ہے۔ میں کس کس کا نام لوں؟"

"کسی ایک کا نام لے کر بتاؤ تو سہی۔۔۔ میں انتڑیاں نہ نکال لاؤں اس کی۔ یہ بکواس کرنے کی جرات کس نے کی آخر؟" وہ دھیمے سلگتے لہجے میں پھنکارا تھا۔ زوفی قدرے سہم سی گئی تھی۔ اسے میران بہت غصے میں لگ رہا تھا۔ زوفی نے پہلے کبھی میران کو اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ گھبرانے لگی تھی۔ پھر وہ نائلہ کا نام لیتے لیتے جھجک کر رک گئی۔ کیا خبر، میران نائلہ سے پوچھنے یا لڑنے کے لیے پہنچ جائے؟ دونوں میں تلخ کلامی ہو جائے پھر نائلہ نے کہا بھی تھا۔ وہ میران کے سامنے اس کا نام مت لے۔ اب اگر وہ نائلہ کا نام لیتی تو کس قدر برا ہوتا۔ نائلہ دوبارہ کبھی بھی اس پہ بھروسا نہ کرتی۔

"سب کے نزدیک ہمارا "تعلق" سوالیہ نشان ہے۔ دادا کے مرجانے کے بعد ہمیں ایک گھر میں نہیں رہنا چاہیے تھا۔" وہ سوں سوں کرتی نائلہ کی ایک ایک بات کو دوہرا رہی تھی۔

"میری کس قدر انسلٹ ہو رہی ہے۔" اس کی سوئی ادھر سے ہٹ نہیں رہی تھی۔ میران نے گہرا سانس کھینچ لیا۔ پھر اس نے روتی ہوئی زوفی کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز میں اب غصہ یا برہمی نہیں تھی کیوں کہ وہ سمجھ گیا تھا زوفی کو کسی نے حسد میں آکر بھڑکایا ہے۔ زوفی کو سمجھانا اس کی ذمہ داری تھی بلکہ اس کی آنکھیں اور دماغ کھولنا زیادہ بڑی ذمہ داری تھی۔

"میں مان ہی نہیں سکتا۔ ہماری کالونی کے لوگ یا کوئی بھی میرے اور تمہارے اوپر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کریں۔ زوفی! تم اتنی عقل مند ہوتی تو بات کرنے والے کو منہ توڑ جواب دے کر آتیں۔ اس کی آنکھیں کھول کر آتیں کہ ہماری کالونی کا کوئی بزرگ تو کیا بچہ تک بھی میرے اور تمہارے ایک گھر میں رہنے پہ "اعتراض" نہیں کر سکتا۔ تم کہنے والے کو بتا کر آتیں۔ ہماری اس کالونی کے ہر بزرگ مرد اور ہر بزرگ عورت نے دادا کے انتقال سے دو دن پہلے ہم دونوں کے نکاح میں شرکت کی تھی۔ اور اسی کمپاؤنڈ میں ٹینٹ لگوا کر دادا نے ارجنٹ کھانے کا انتظام بھی کروایا تھا۔ نکاح کے بعد جو "طعام" کا اہتمام تھا وہ محض نکاح کا نہیں بلکہ "ولیمہ" کا اعلان تھا اور دادا نے سب مہمانوں کو بطور خاص اس لیے بلوایا کر کھانا کھلایا تھا تاکہ اس نکاح کا بطور ولیمہ اعلان کر سکیں۔

سو ولیمہ کے بعد پیچھے کچھ نہیں رہ جاتا۔ گو کہ سب کچھ بہت اچانک ہوا تھا، لیکن دادا نے اپنی طرف سے ہم دونوں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کروا کر اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ ہم دونوں اس دن کے بعد میاں بیوی ہیں۔ یہ اور بات تھی کہ دادا کے چالیسویں کے بعد بھی

مجھے تم پہ ترس اور رحم ہی آتا رہا۔ میں نے سوچا تم ذرا دادا کے غم اور جدائی کے فیز سے نکل لو کچھ سنبھل جاؤ۔ میں تم پر وقت سے پہلے ذمہ داریاں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ یہ میرا تم پہ "ترس" تھا۔ سنا تم نے۔ رحم تھا یہ۔۔۔

جہاں تک بخاری صاحب کی بیگم کا تعلق ہے تو بلاشبہ وہ تیز خاتون ہیں، لیکن کسی کی کردار کشی وہ کبھی نہیں کرتیں۔ ابھی کل وہ مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔

"زوفی پڑھائیاں ہی کرتی جا رہی ہے۔ کوئی "خوشخبری" تو ابھی تک نہیں سنائی۔۔۔؟" اس بات کا مطلب تمہاری ناقص عقل میں سما سکتا ہے تو پلیز تھوڑا سا دھیان دے لینا۔ امید ہے بھوسے بھرے دماغ میں کوئی نہ کوئی بات ضرور اٹک جائے گی اور جس نے تمہارے دماغ کو جو پہلے سے ہی فارغ شدہ ہے۔ بھرنے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع کیا ہے اس کا منہ بند کروانے کا میں خود بندوبست کر لوں گا۔ تم بس خاطر جمع رکھو۔ بہت من مانی کر چکی ہو۔ اب مجھے خود ہی کوئی اسٹینڈ لینا ہوگا۔ ورنہ تو اپنا ٹائی ٹینک خود ڈبو ڈالو گی۔۔۔"

وہ بڑے دھیمے رواں اور پراثر لہجے میں اس کے آٹھ آٹھ طبق روشن کرتا اٹھ کر چلا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے کئی سوالیہ نشان چھوڑ کر اور مزید وہ اس پہ واضح بھی کر چکا تھا کہ "آزادی" کے دن اب خواب ہیں اسے اپنا مائنڈ میک اپ کر لینا چاہیے اور اپنے کمرے سے میران کے کمرے تک "ہجرت" کے لیے بھی ذہنی طور پر تیار ہو جانا چاہیے۔

لیکن ان ساری کھری باتوں کو ایک طرف رکھ کر وہ محض ایک سوئی پہ پھنس چکی تھی۔ اس کا ذہن وہاں سے ہٹ نہیں رہا تھا۔ میران کے لفظوں کو نظر انداز کر ہی نہیں رہا تھا۔

"یہ میرا تم پہ ترس تھا۔" زوفی کو یہ الفاظ چابک کی طرح لگ رہے تھے۔ کوڑوں کی طرح پڑ رہے تھے۔ کیا میران نے اس پہ "ترس" کھایا تھا؟

☼ ☼ ☼

اور یہ چند ماہ پہلے کی تو بات تھی جب اچانک دادا کی طبیعت اتنی بگڑی کے وہ اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو گئے تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی وہ بہت دفعہ بیمار ہو کر بالکل بھلے چنگے اسپتال سے گھر آجاتے تھے، لیکن ان دنوں انہیں اپنی موت کی آہٹیں پہلے ہی سنائی دے چکی تھیں۔ وہ انتہائی زود رنج ہو گئے تھے۔ بات بے بات رو پڑتے۔ غم زدہ ہو جاتے اور سب سے زیادہ زوفی کے لیے متفکر نظر آتے۔ انہیں زوفی کا غم مارے ڈال رہا تھا۔ ان کے بعد زوفی کا کیا ہوگا؟ وہ کہاں جائے گی؟ وہ کیسے رہ پائے گی؟ پھر دادا اپنے محلے داروں، کالونی والوں اور دور پرے کے رشتہ داروں کو بلوا کر مشورے کرنے لگے تھے یا پھر اپنا کوئی فیصلہ ان کے گوش گزار کرنا چاہتے تھے۔

ایسے ہی ایک دن دادا کی طبیعت زیادہ بگڑی تو انہوں نے میران سے وہ بات کر لی تھی جسے اتنے دنوں سے وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہے تھے بلکہ یہ بات نہیں "ایک مستحکم فیصلہ تھا جو انہوں نے میران کے سامنے رکھا تو وہ فوراً" ہی بدک گیا۔ بلکہ چیخ پڑا تھا اور اس نے فوراً" انکار بھی کر دیا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے دادا! میں نے کبھی نہیں سوچا۔ زوفی کو تو بالکل بھی نہیں۔ وہ ابھی کل کی بچی ہے۔ اس میں عقل نام کو نہیں۔ وہ نا سمجھ ہے۔۔۔ میں نے اپنا لائف پارٹنر اسے نہیں بنانا۔ یہ پوری زندگی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ میں اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا۔" اس کا دو ٹوک انکار دادا کو بے قرار کر گیا تھا اور پردے کی اوٹ میں چھپی زوفی تک کو بھی ہلا گیا تھا۔ جبکہ وہ انتہائی سفاکی سے مسلسل بول رہا تھا۔ اس کی آواز بلند نہیں تھی۔ شاید دادا کی خرابی طبیعت کے سبب۔۔۔؟

"دادا! یہ قطعاً" زیادتی ہے۔۔۔ دیکھیں، میرا اور اس کا کوئی میچ نہیں۔۔۔ وہ ابھی پڑھ رہی ہے۔۔۔ میں پریکٹیکل لائف میں ہوں۔ میں ایک آدھ سال تک شادی کر لوں گا۔ زوفی کو تعلیم مکمل کرنے میں بہت ٹائم لگے گا۔" وہ ہر قسم کی دلیل اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا تاکہ کسی بھی طرح سے دادا کو قائل کر سکے۔

"زوفی کم عمر ضرور ہے۔۔۔ نا سمجھ نہیں۔۔۔ ذمہ داری

بس آپ کی خاطر اس پر "رحم" اور "ترس" کھا رہا ہوں۔ آپ اسے مجھ پہ زبردستی مسلط کر رہے ہیں۔ جب بھی چانس بنا' اپنی پسند کی شادی کر لوں گا۔" وہ دبے دبے غصے میں بولتا جا رہا تھا اور بستر مرگ پہ پڑے دادا کو جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی۔ وہ اتنے خوش تھے کہ میران کی ساری بکواس کو نظرانداز کر چکے تھے' لیکن پردے کے پیچھے کھڑی زوفی کے دل پہ ایک ایک لفظ کندہ تھا لکھا ہوا تھا۔ کھدا ہوا تھا۔ وہ نہ کل بھولی تھی اور نہ آج بھولی تھی۔ بھول سکتی ہی نہیں تھی۔ میران نے اس پہ ترس کھایا تھا۔ اس پہ رحم کیا تھا۔ دادا کے مجبور کرنے پہ اس سے رشتہ جوڑا تھا۔ وہ اس کے لیے کل بھی ناپسندیدہ تھی۔ وہ اس کے لیے آج بھی ناپسندیدہ تھی اور زوفی کو کسی کی زندگی میں زبردستی گھسنا گوارا نہیں تھا۔ وہ کل بھی زبردستی کے اس نکاح پہ راضی نہیں تھی وہ آج بھی راضی نہیں تھی۔ اور سر جواد کہتے تھے۔

"انسان کو زندگی اس کے ساتھ گزارنی چاہیے تھی۔ جو اسے چاہتا ہو' عزت کرتا ہو اور بخوشی اپنی زندگی میں خوش آمدید کہے۔" سر جواد کا ہر قول اس کے پاس سنہری حرفوں میں لکھا تھا۔ وہ اور کسی بات پہ عمل کرتی یا نہ کرتی سر جواد کی ہر بات کو گرہ میں باندھ کر اس پہ عمل کرتی تھی۔ کیوں کہ سر جواد ہی وہ انسان تھے جنہوں نے زوفی کا اعتماد بحال کیا تھا۔ اس کی پوشیدہ خوبیوں کو اجاگر کیا تھا۔ اسے بتایا تھا وہ کس قدر ذہین ہے۔ وہ کس قدر مکمل ہے۔ وہ کس قدر حسین ہے۔ وہ ایسی لڑکی تھی جس کے لوگ طلب گار بن بن کر آتے' اس کی منتیں کرتے اور اسے اپنی زندگی میں شامل کرنا ایک اعزاز سمجھتے۔ تعریف کسے بری لگتی ہے؟ تعریف تو اچھے بھلوں کا ذہن گھما دیتی ہے اور جس کا پہلے سے ہی ذہن گھوما پھرا ہو عقل میں پورا ہو۔ اس کا بھلا کیا حال ہوتا ہو گا؟

زوفی نے ایک فیصلہ کیا اور مطمئن ہو گئی جس طرح دادا کے سامنے میران بار بار اس کے وجود کی نفی کرتا رہا تھا۔ اس میں سو سو کیڑے نکال کر ریجیکٹ کرتا رہا بھی ہے۔ وہ جلدی ساری ذمہ داریوں کو سمجھ لے گی۔ تمہاری دادی چودہ سال کی ماں بھی بن گئی تھیں اور ہمارا ایج ڈیفرنس بھی بہت تھا۔" دادا نے نحیف آواز میں مسلسل اسے سمجھانا شروع کر رکھا تھا۔ وہ کسی بھی طرح ہتھیار نہیں پھینک رہے تھے۔

"آپ کا اور وقت تھا دادا! اب تو لائف پارٹنر کا ایج فیلو ہونا ضروری ہے اس سے زیادہ انڈر اسٹینڈنگ ہوتی ہے جبکہ میری اور زوفی کی ذہنی مطابقت نہیں۔۔۔" وہ چڑ کر بولتا رہا۔

"جب میاں بیوی ایک رشتے میں بندھ کر قریب آجاتے ہیں تو انڈر اسٹینڈنگ خود بخود ہو جاتی ہے۔ دیکھنا' تم دونوں بہت اچھی زندگی گزار رو گے۔" دادا نے ملائمت سے کہا تھا۔

"میں نے زندگی میں تم سے کچھ اور نہیں مانگا۔" ان کے آنسو بھی جھر جھر بہنے لگے تھے۔ یعنی جذباتی حربے؟ وہ اور بھی چڑ سا گیا تھا۔

"تو کیا کروں؟ مجھے جو نظر آرہا ہے وہ تھیں نہیں آسکتا۔ میری زوفی "رل" جائے گی۔" ان کی آواز کھانسی کے شدید دورے میں کھو گئی تھی۔

"کیسے رلے گی۔۔۔؟ میں ہوں نا۔۔۔ زوفی کا خیال رکھوں گا۔ اس کی اچھی جگہ شادی کروں گا۔"

"میرو! تجھے میرا احساس نہیں۔ تجھے کسی کا احساس نہیں۔" دادا نے مایوسی سے آنکھیں موندلی تھیں۔ وہ اس کے مسلسل انکار پر دل چھوڑ بیٹھتے تھے۔ انہیں یقین تھا میران کبھی نہیں مانے گا۔

"تمہیں اس یتیم پر رحم اور ترس بھی نہیں آتا؟ وہ میرے بعد اس گھر میں تمہارے ساتھ کیسے رہے گی؟" دادا کے تڑپتے لہجے میں جو نزاکت تھی جو باریکیاں نظر آرہی تھیں۔ انہیں پہلی مرتبہ میران سمجھ پایا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے چپ کر گیا تھا۔ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"میں بھی تو یتیم ہوں۔۔۔" اب کہ میران کا لہجہ کمزور تھا۔ احتجاج بھی کمزور تھا۔ "آپ کو میرا خیال نہیں۔۔۔ اور میں نے جیسے یتیموں کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔

تھا۔ زونی نے بھی اسے بذات خود "ریجیکٹ" کرکے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے متعلق سوچ لیا تھا۔ فیصلہ کرلیا تھا۔ اور وہ اپنے فیصلے پہ بہت مطمئن تھی۔ اسے یقین تھا جیسے ہی میران کو اس کے فیصلے سے آگاہی ہوئی۔ وہ خود بھی زونی سے جان چھڑوانے میں لمحہ نہیں لگائے گا کیونکہ زونی اس کے آئیڈیل سے کسی طور پہ بھی میچ نہیں کرتی تھی وہ اس کی توقعات پہ پورا نہیں اتر سکتی تھی۔ وہ ایک یتیم لڑکی تھی۔ جسے قبول کرنا میران کی مجبوری تھی۔ وہ داوا کے لیے مجبور ہو گیا تھا لیکن اب داوا نہیں تھے۔ نہ داوا کی کوئی مجبوری تھی۔ میران آزاد تھا اور وہ آزادانہ کوئی بھی فیصلہ کرسکتا تھا لیکن پھر ہوا کیا؟ زونی کی توقعات سے اس قدر برعکس ہوا کیسے؟

☼ ☼ ☼

اسٹائل ان کا ماحول خاصا رومانٹک اور فسوں خیز تھا۔ بیک گراؤنڈ میں دھیما دھیما میوزک چل رہا تھا۔ دبیز پردوں کے پار زندگی مصروف تھی لیکن اندر کا ماحول ساکت اور رکا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ یہ تو محض زونی کا خیال تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ کالج میں تھی۔ آج اس نے کوئی بھی کلاس نہیں لی تھی۔ طبیعت بہت بے زار تھی۔ رات بھر مختلف سوچوں میں گم وہ نیند بھی نہیں لے سکی تھی۔ ابھی آنکھیں جل رہی تھیں۔ سر بہت بھاری ہو رہا تھا اتنی سستی تھی کہ حد نہیں۔ وہ بس جلد از جلد گھر جانا چاہتی تھی۔ کو کہ گھر کا تصور بھی سوہان روح تھا لیکن فی الوقت گھر سے بہتر جائے پناہ کوئی نہیں تھی۔ پھر کون سا اس وقت میران گھر پہ تھا۔ وہ آرام سے جاکر سو جاتی لیکن کچھ ہی دیر میں اس کا موبائل بج اٹھا تھا۔ کال پک کی تو دوسری طرف سر جواد تھے۔ زونی کچھ حیران ہوئی کیوں کہ سر جواد کی عام طور پر کال نہیں آتی تھی۔ بس اکیڈمی میں ہی بات ہو جاتی تھی۔ اس وقت وہ کال کرکے اسے باہر بلا رہے تھے۔ باہر یعنی کالج گیٹ کے باہر؟ زونی کچھ حیران ہو گئی تھی۔ پھر وہ بیگ اٹھا کر اپنی سہیلی کو بتانے کے بعد باہر نکل آئی۔ سامنے ہی سر جواد کھڑے نظر آگئے تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ارجنٹ کام تھا تم سے۔ اسی لیے آنا پڑا۔ ہے تو کچھ معیوب بات۔ آپا بھی ناراض ہوں گی لیکن مجبوری تھی۔" وہ اتنی شائستگی سے کہہ رہے تھے۔ زونی انکار نہ کرسکی۔ کیا پتا کتنا ضروری کام ہو؟ وہ سوچتی ہوئی بائیک کے پیچھے بیٹھ گئی تھی لیکن اس وقت "اسٹائل ان" میں بیٹھ کر اس کا دل بہت مضطرب ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے اس نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔ اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ کم از کم کالج کے اوقات میں تو نہیں۔ اگر کوئی دیکھ لیتا۔۔۔ میران نہ سہی۔۔۔ اس کی کالونی کا ہی کوئی فرد؟ تو پھر اس کی عزت کیا رہ جاتی؟ دو کوڑی سے بھی کم تر؟ اور داوا کی بنی بنائی عزت خراب ہو جاتی تھی۔ زونی کا مارے اضطراب اور گھبراہٹ کے برا حشر ہو رہا تھا۔

"سر! آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے گہرے مضطرب لہجے میں پوچھا تھا۔ جواد اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہاں بے چینی تھی۔ گھبراہٹ تھی۔ پریشانی تھی۔ یقیناً" وہ میران کے خوف سے گھبرا رہی تھی۔ جواد کا تنفر ایک لمحے میں ہی اٹھ آیا تھا۔ پھر وہی میران؟ اس کا ہوا؟ اور خوف؟

"تمہارا ڈر دور کرنے۔" جواد نے فرائز کھاتے ہوئے اطمینان سے کہا تھا۔ اس کی آنکھیں اور بھی حیرانی اور خوف سے پھیلنے لگی تھیں۔

"کیسا ڈر؟" وہ ہکلا کر بمشکل بول سکی۔ کوئی بھی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ نہ سر جواد نہ ان کی باتیں نہ سامنے رکھا لزانیہ نہ اس کا فیورٹ مشروب۔

"پہلے یہ کھاؤ۔۔۔ پھر بتاتا ہوں۔" اس کے لہجے میں بلا کی نرمی اور ملائمت تھی۔ زونی کا دل اوب سا گیا۔ اس کی بھوک مٹ چکی تھی۔ وہ بالکل اس انداز میں بیٹھی تھی جیسے اس کی بات سنتے ہی اٹھ کر بھاگ جائے گی۔

"میرا موڈ نہیں۔ آپ بات پوری کریں سر! مجھے گھر جانا ہے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس نے انتہائی لجاجت سے کہا تھا۔ جواد کچھ پل کے لیے آنکھیں سکیڑے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ اپنی بات دہرائی تھی۔

"تمہارے اسی ڈر کا خاتمہ کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ تم کھل کر آزادی کا سانس لے سکو۔ اپنی مرضی سے جی سکو۔ ہنسو کھیلو۔ جہاں مرضی جاؤ۔ تم پر سے ہر پابندی دور کرنے کے لیے تمہیں حقیقی خوشیوں بھری زندگی دینے کے لیے۔ تمہیں غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے کے لیے میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ صرف تمہارے لیے تمہاری خوشی کے لیے اپنے دل کی پوری رضامندی کے ساتھ۔" وہ بڑے خواب آگیں لہجے میں بولتا ہوا لمحہ بھر کے لیے رکا تھا اور زونی کی بے ترتیب سانسیں بھی لمحہ بھر کے لیے رک گئی تھیں۔ جیسے کچھ ہونے والا تھا؟ جیسے جواد کچھ انوکھا بولنے والا تھا؟

زونی کا دل خوف کے مارے پسلیاں توڑنے پہ مجبور گیا۔ اس کا حلق تک سوکھ گیا۔ اور اس کی آنکھوں میں پورب سے اٹھتی ریت بھرتی گئی تھی۔

وہ آنکھیں مسل مسل کر سامنے دیکھتی رہی تھی۔ اسے ہر چہرہ دھندلا نظر آرہا تھا۔ اسے ہر عکس دھندلا نظر آرہا تھا۔ ہر منظر پھیکا تھا۔ بے جان تھا۔ خشک اور بنجر تھا۔

"زونی! تمہارے لیے یہ کچھ عجیب ہوگا۔ لیکن سوچ یہی ہے۔ مجھے تم سے پیار ہو چکا ہے۔ اور میں تمہیں بہت جلد تمہارے اس "ڈکٹو خان" کزن سے مانگنے والا ہوں۔" جواد نے زونی کے سر پر بالا خر دھماکا کردیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس دیکھتی رہ گئی تھی۔ جیسے اسے کوئی بات سمجھ نہ آرہی ہو۔ جیسے اسے جواد کا کوئی لفظ پلے نہ پڑ رہا ہو۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ ایسا بالکل نہیں تھا۔ وہ جواد کا لفظ لفظ سن چکی تھی۔ اس کا لفظ لفظ سمجھ چکی تھی۔ لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے سر پہ ہتھوڑا مار دیا ہو۔ جیسے سر پہ گہری ضرب لگی ہو۔

یہ کیسے ممکن تھا۔؟ یہ کس طرح ممکن تھا؟ سر جواد اس کے بارے میں ایسا کس طرح سے سوچ سکتے تھے؟ وہ جیسے ہکا بکا رہ گئی تھی۔ اس کی حلق خشک ہو گیا تھا۔ وہ انگلیاں چٹخاتی مضطرب تھی۔ بے انتہا مضطرب تھی۔

"سر! یہ ممکن نہیں۔" بہت دیر بعد زونی نے بمشکل پھڑ پھڑاتے لہجے میں دو لفظ منہ سے نکالے تھے۔ جواد جو اس سے کچھ اور ہی سننے کی امید رکھتا تھا لمحہ بھر کے لیے بھونچکا رہ گیا۔

اتنا تو وہ جانتا تھا۔ زونی میران کو پسند نہیں کرتی۔ وہ اس کے خلاف باتیں کرتی تھی۔ گھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں اسے بتاتی تھی۔ میران کے گلے کرتی۔ اس کے ڈانٹنے پہ غصہ کرتی۔ غرض میران کہیں بھی زونی کی "گڈ بک" میں نہیں تھا۔ تو پھر ممکن کیا نہیں تھا۔

جواد کی آنکھوں میں ناگواری بھرتی چلی جارہی تھی۔

"کیا ممکن نہیں؟" وہ اپنے کھردرے لہجے پہ قابو نہیں پاسکتا تھا۔ تب زونی نے سر جھکا کر بڑی بھرائی آواز میں درد سے چور لہجے تکلیف دہ انداز میں جواد کے سر پر بم گرایا تھا۔

"ممکن اس لیے نہیں کہ داوا اپنی زندگی میں میری اور میران کی شادی کرچکے تھے۔" اور ابھی وہ جواد کو شادی کی باقی تفصیل بھی بتانا چاہتی تھی۔ کہ یہ شادی کس طرح زبردستی ہوئی تھی۔

وہ یہ ساری باتیں سر جواد سے شیئر کرنا چاہتی تھی۔ انہیں ایک ایک بات بتانا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کے دکھ تنہائی۔ تکلیفوں کو۔ جس طرح داوا کے بعد میران نے اسے نظر انداز کیا تھا۔ وہ اکیلی داوا کے سوگ میں گھٹ گھٹ کر جیتی اور مرتی تھی۔ میران نے کبھی اسے پوچھا تک نہیں تھا۔ منہ تک نہیں لگایا تھا۔

آخر کیوں لگاتا۔؟ میران نے اس پہ "ترس" اور "رحم" جو کیا تھا۔ وہ اس کے سر پہ مسلط جو کردی گئی تھی۔ لیکن وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔ کچھ بھی نہیں بتا سکی تھی۔

کیونکہ اچانک کوئی بڑے آرام اور خاموشی کے ساتھ اس کی دائیں طرف آکر کھڑا ہو گیا تھا جواد ایک دم حواس باختہ ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے

چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔
معاً" زونی نے خوف کی آخری حد تک پہنچتے ہوئے دائیں طرف دیکھنے کی کوشش میں سر کو ذرا سا اوپر اٹھایا اور پھر زمین و آسمان اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم اٹھے تھے۔

وہ میکانکی انداز میں اٹھنا چاہتی تھی جب کسی نے اس کا بازو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑا اور گھسیٹتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ جبکہ وہ اسے گھسٹتی جارہی تھی جیسے صدیوں سے اس کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ غصے میں پورے لاؤنج کا چکر کاٹتا سخت آگ بگولا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ تمہارے ذرائع کہاں مر گئے تھے آپا! اتنی بڑی بات ہوئی اور تمہیں پتا ہی نہیں چلا۔" جواد کا مارے تنفر کے سانس پھول رہا تھا۔ آنکھوں میں غصہ ناچ رہا تھا۔ جبکہ نائلہ خود دم بخود تھی۔ جبکہ نائلہ خود متوحش تھی۔ یہ انکشاف کوئی معمولی انکشاف نہیں تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ بالکل یقین نہیں آرہا تھا۔

"تمہیں زونی نے خود بتایا؟" نائلہ نے کوئی چوتھی مرتبہ ہونقوں کی طرح سوال کیا تھا۔ جواد جیسے پھٹ پڑا۔

"ہاں۔" "اس نے آگ بگولا ہو کر کہا تھا۔

"اور مجھے نہیں لگ رہا تھا وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ پھر میں نے کالونی کے ایک دو بندوں سے تصدیق بھی کروائی۔ باتوں باتوں میں پوچھنا چاہا تو انہوں نے کہا۔ "اس شادی کو تو سات آٹھ ماہ ہو چکے۔" "اور تمہیں آپا! خبر تک نہیں۔"

"میں تو ابھی تک شاکڈ ہوں۔ ویسے تو بابا مجھے بیٹی بیٹی کہتے تھکتا نہیں تھا۔ پوتی کا نکاح کر کے بتایا نہیں۔ حالانکہ تب میں نے ایک دو مرتبہ کال کر کے بابے کا حال بھی پوچھا تھا۔ مجھ سے چھپالیا۔ اور میں تب یہاں نہیں تھی۔ بس واپس آکر بھی اتنی مصروفیت رہی کہ کالونی کی کسی عورت سے میل ملاپ نہیں ہو سکا۔ اور دیکھو' اس "گھنی" زونی نے ہوا تک لگنے نہیں دی۔" نائلہ کو بھی زونی پہ تاؤ چڑھ رہا تھا۔

"زونی کا کیا قصور؟ آپا! تمہیں ہی باتوں باتوں میں پوچھ لینا چاہیے تھا۔" جواد تڑخا۔

"مجھے الہام تو نہیں ہوا تھا۔" نائلہ چڑ کر بولی تھی۔

"میں تو اچھا بھلا اسے یہاں سے کسی اور جگہ شفٹ ہو جانے کے مشورے دے رہی تھی۔"

"تو پھر کیا بنا؟" جواد نے تلخی سے طنز کیا۔

"تم غصہ کیوں کھا رہے ہو؟" نائلہ بھی تلملائی تھی۔

"تو اور کیا کروں۔" "میں زونی کے لیے ذہن بنا چکا تھا۔ سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ گیا۔" جواد کا دکھ کسی طور کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

"تم ریلیکس فیل کرو۔ ٹینس مت ہو۔ میں سب کچھ ٹھیک کرلوں گی۔" نائلہ کا انداز حوصلہ افزا تھا۔ جواد نے ترشی سے اسے دیکھا۔

"کیا کرلوگی۔؟ جب نکاح ہو چکا۔ پیچھے کیا رہ جاتا۔"

وہ زہر خند ہوا تھا۔"جہاں تک میرا تجربہ ہے۔ نکاح سے آگے کچھ بھی نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی نہیں کرتے۔" نائلہ نے جواد کا دھیان ایک دوسرے رخ کی طرف کیا تو وہ بے ساختہ چونک کر خوش ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں لہری اٹھی تھی۔

"واقعی آپا! زونی' میران کو پسند نہیں کرتی۔" اس کا لہجہ پر یقین تھا۔ گویا اسے پکا اندازہ تھا کہ زونی' میران کو بالکل اچھا نہیں سمجھتی۔

"دونوں ایک دوسرے سے بے زار نظر آتے ہیں۔ میرڈ لائف ایسی نہیں ہوئی۔ نہ شادی شدہ لوگ اتنے ایک دوسرے سے اکھڑے اکھڑے' بے زار اور تنگ دکھائی دیتے ہیں۔ دونوں کی روٹین بھی ہمارے سامنے ہیں سات آٹھ ماہ پہلے اگر یہ شادی ہوئی بھی ہے تو کامیاب ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔" نائلہ نے گہرے پر سوچ انداز میں کہا تھا۔ جیسے وہ زونی اور میران کی

گزشتہ زندگی کو تصور کی آنکھ سے دیکھ رہی تھی اور اسے اس شادی میں کوئی نیا پن نظر نہیں آرہا تھا۔

"تو اس کا مطلب ہے۔ میں پر امید رہوں؟" جواد کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"آف کورس' امید تو ہمیشہ ترو تازہ رہنی چاہیے۔" نائلہ مسکرائی۔

"کامیابی کے چانسز کتنے ہیں؟" اتاؤلے پن سے بولا تھا۔

"ہنڈریڈ پرسنٹ۔" نائلہ کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔

"تم کرو گی کیا؟ ہو گا کیسے؟۔" جواد اس کا لائحہ عمل پوچھنا چاہتا تھا۔

"یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو۔" نائلہ نے کالر اکڑائے تھے۔ جیسے اسے اپنی صلاحیتوں پہ پورا بھروسا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک تیز لپک تھی۔ ایک تیز چمک تھی۔ جیسے شکاری کی اپنے "شکار" کو دیکھ کر آنکھوں میں اتری ہے۔ لپکتی ہے اور پھر "شکار" کو جھپٹ لیتی ہے۔

☼ ☼ ☼

میران کے بیڈ روم میں اس وقت موت کا سناٹا پھیل رہا تھا۔

بس گھڑی کی ٹک ٹک گونج رہی تھی۔ یا پھر باہر سرسرائی ہلکی سی ہوا۔ جو شیشوں سے ٹکراتی تو پردے ہلکے ارتعاش سے پھول جاتے تھے۔

وہ کب سے ایک ہی زاویے پہ بیڈ کے کونے سے چمٹ کر بیٹھی تھی۔ اس بیڈ پر میران اسے دھکا دے کر پھینکنے کے بعد خود باہر نکل گیا تھا۔ جانے کہاں؟

اور اب تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔

کچھ دیر پہلے وہ اسی کمرے میں زونی پہ گرج گرج کر گیا تھا۔ اپنا سارا اشتعال' غصہ اور زہر اگل کر گیا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا۔ وہ اس کے ضبط' تحمل اور برداشت سے بہت اوپر تھا۔ پھر اس نے زونی کو بے نقط سنائی تھی۔ بے تحاشا غصہ انڈیلا تھا۔ بس ہاتھ اٹھانے کی کسر رہ گئی تھی۔ اسٹائل ان سے واپسی پہ زونی پورا راستہ روتی ہوئی آئی تھی۔ گھر آکر بھی روتی رہی تھی۔ اور پھر جب میران نے اسے اپنے کمرے میں لا پھینکا تھا۔ وہ تب بھی بے تحاشا روتی رہی تھی۔

پھر میران کا غصہ جو وہ اس پہ الٹ رہا تھا۔ زہر میں بجھے الفاظ۔ جو ایک ایک کر کے زونی کے دل میں پیوست ہو چکے تھے۔ اس کا گرجنا' برسنا کوئی معمولی نہیں تھا۔ وہ غصے میں گرم پانی کی طرح کھول رہا تھا۔ آگ کی طرح بھڑک رہا تھا۔

"بہت افسوس کا مقام تھا میرے لیے۔ تمہیں وہاں دیکھنا۔ میری برداشت سے بھی بہت اوپر۔ تم جواد کے ساتھ وہاں کیا کر رہی تھیں؟ کیوں گئی تھیں؟ تمہیں شرم نہیں آئی۔" وہ کتنے ہی لمحے چنگھاڑتا رہا تھا۔ غصہ کرتا رہا تھا۔ بولتا رہا تھا۔ اس کا طیش کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

"مجھے شرم آئی تمہیں وہاں دیکھ کر۔ دل چاہ رہا تھا۔ طمانچے مار مار کے تمہارا منہ رنگ دوں۔ کاش دادا ہوتے اور اپنی پوتی کی خود سریاں دیکھتے۔" میران زہر خند ہوا۔ اسے بار بار گھورتا اور جھنجوڑتا رہا۔

"کالج ٹائم میں تمہارا جواد کے ہمراہ ہوٹلوں میں گھومنا کیا معنی رکھتا ہے زونی!۔" وہ شدت غیض سے چلا رہا تھا۔ تب گھٹنوں میں سر دیے بے تحاشا گھٹ گھٹ کر روتی زونی الزام در الزام پہ چیخ اٹھی تھی۔

"نہیں کوئی ضروری کام تھا۔ انہوں نے مجھے کال کر کے بلایا۔ میں باہر آئی تو انہوں نے کہا۔ وہ مجھ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے پتا نہیں چلا اور اسٹائل ان آگیا۔ میں ہرگز نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر سر نے مجھے فورس کیا۔ میں نے سوچا۔ میرے استاد ہیں۔ بات سن لیتی ہوں۔ اور بس۔" زونی سسکیوں کے دوران بمشکل بول سکی تھی۔ میران کا غصہ اس وضاحت پہ بھی نہیں اترا تھا۔

"استاد؟ بھاڑ میں گیا استاد۔ تمہیں وہ کنویں میں چھلانگ لگانے کا کہتا اور تم لگا دیتیں؟ تمہیں کب عقل آئے گی زونی! پھر تم نے مجھ سے اجازت کیوں نہیں

لی۔؟" وہ یکدم دھاڑا تھا۔

"یہ میری زندگی ہے۔ اور میں کسی کی پابند نہیں۔" زوفی کے اگلے الفاظ اس کا دماغ اور بھی تپا گئے تھے۔

"میں اپنی زندگی میں خود سے مخلص لوگوں کے ساتھ میل جول بھی نہیں رکھ سکتی؟" زوفی بھی تڑخ کر بولی تھی۔ میران کا دماغ گھوم گیا۔

"میل جول سے کس نے منع کیا ہے۔" تم اس ہوٹل میں کیوں گئیں؟ جواد کو جو ضروری بات کرنا تھی۔ وہ اکیڈمی میں کرتا یا نائلہ کے توسط سے۔ وہ تمہیں ہوٹل کیوں لے کر گیا؟"

"میں خود گئی تھی سر نے مجبور نہیں کیا تھا۔" اس نے بے دھڑک کہا۔

"لیکن آئندہ نہیں جاؤ گی۔ نہ کہیں باہر اور نہ ہی اکیڈمی۔ اور جواد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ بس اکیڈمی کی حد تک تھا۔ اکیڈمی ختم تو یہ تعلقات بھی ختم۔ جہاں تک نائلہ یعنی کرائے داروں کا تعلق ہے۔ تو میں انہیں فلیٹ خالی کرنے کا نوٹس بھجوانے والا ہوں۔" میران کے اگلے الفاظ نے زوفی کو ہکا بکا کر دیا تھا۔ "نائلہ آنٹی کا اس معاملے میں کیا قصور ہے؟ انہیں کس بات کی سزا دے رہے ہیں آپ! وہ تو ایک طویل عرصہ سے یہاں رہ رہی ہیں۔" وہ روتے روتے روہانسی ہو گئی تھی۔

"آپ ان کے ساتھ اس طرح نہیں کر سکتے۔"

"اب وہ یہاں رہنے کے قابل نہیں۔ اوکے! تم بلاوجہ حمایت مت کرو۔ اور ہاں، اگر تم نائلہ یا اس کے بھائی سے ملی تو تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ ابھی اکیڈمی چھڑوائی ہے۔ پھر کالج بھی چھڑوا دوں گا۔ اور آخری بات تمہیں اس کمرے تک لانے کا یہ مقصد نہیں کہ میں غصے میں تمہیں ادھر لے آیا ہوں۔ کان کھول کر سن لو۔ یہ کمرہ تمہاری "حدود" تم پر واضح کرتا رہے گا تمہیں بتاتا رہے گا کہ تم "پابند" ہو۔ میری پابند۔ میں نے تمہیں ڈھیل دے کر سر چڑھا لیا ہے۔ تم اپنی من مانیاں کرنے لگ گئی ہو۔ خبردار، جو تم یہاں سے باہر نکلی۔ اور اس "غلطی" کو تمہاری نادانی سمجھ کر پہلی اور آخری مرتبہ معاف کر دیتا ہوں۔ آئندہ ایسا ہوا تو میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گی۔" وہ تن فن کرتا وارننگ دیتا باہر نکل گیا تھا۔ اور تب سے لے کر اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ زوفی رو رو کر تھک چکی تھی اوپر سے بھوک نے بھی نڈھال کر رکھا تھا۔ سر اٹھاتی تو چکر آنے لگتا تھا۔ اوپر سے کبھی سر جواد کی باتیں دماغ گھما دیتی تھیں اور کبھی میران کا غصہ۔

زوفی کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ سر جواد نے اس سے اظہار محبت کیا ہے۔ ان کے الفاظ؟ اف۔ زوفی نے ایسا انداز پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ جانے وہ خوش تھی یا نہیں البتہ حیران ضرور تھی۔

ویسے بھی تعریف، نرم الفاظ، محبت بھرے جملے کسے برے لگتے ہیں۔ زوفی کو لگ رہا تھا۔ اسے سر جواد کے الفاظ بہت اچھے نہ سہی تو بہت برے بھی نہیں لگے تھے۔

اور اس وقت وہ میران کا سارا گرجنا چمکنا بھول کر سر جواد کو سوچ رہی تھی۔ اور شاید دل کو دل سے راہ ہوتا اسی کو کہتے تھے کہ سر جواد کی اچانک کال آ گئی۔

زوفی نے کچھ ڈرتے ڈرتے کال ریسیو کر لی تھی۔ جواد کی بے قراری کو جیسے قرار آ گیا تھا۔

"زوفی! شکر ہے تمہاری آواز سننے کو ملی۔ میری جان پہ بن گئی تھی۔ میران کے تیور بہت خراب تھے اس نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں۔؟" وہ شدید پریشان تھا۔ زوفی کے لیے انتہائی متفکر تھا۔ زوفی کو اس کا خیال رکھنا پسند آیا تھا۔

"کیسا ظالم درندہ ہے زوفی یہ تو۔ میں تو غم سے مر رہا ہوں۔ تمہیں اس دیو کے چنگل سے کیسے آزاد کراؤں۔" جواد کے لہجے میں زوفی کی تکلیف کا اثر بول رہا تھا۔ جبکہ زوفی نے روتے ہوئے اسے ساری کتھا سنا ڈالی تھی۔

"زوفی! تم فکر مت کرو۔ میں تمہاری کنڈیشن سمجھتا ہوں۔ میں جلدی تمہیں اس درندے کی قید سے آزاد کرا لوں گا۔" جواد نے اسے تسلی دیتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ اسی پل داخلی دروازہ کھول کر میران

بھی آ گیا۔ زوفی نے جلدی جواد کا نمبر ڈیلیٹ کیا اور پھر دوبارہ گھٹنوں میں منہ دے کر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ دیر کھٹ پھٹ کرنے کے بعد میران اندر آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بے شمار شاپر تھے وہ سارے شاپر فرش پہ رکھ کر زوفی کے قریب آیا۔ پھر اس نے زبردستی زوفی کو اٹھا کر واش روم میں کھڑا کیا۔

"منہ ہاتھ دھو کر باہر آؤ۔ میں کھانا لایا ہوں کچھ اندر جائے گا تو احساس ہو گا جو تم نے کیا ٹھیک نہیں تھا۔" اب کی دفعہ اس کی آواز میں ملائمت تھی۔ پھر وہ باہر نکل گیا تھا۔ زوفی غصے میں منہ دھوتی رہی تھی۔ پھر کافی دیر بعد میران کے کھینچنے پہ ہی باہر آئی۔ تب تک وہ میز پر کھانا لگا چکا تھا۔

"کھانا کھاؤ زوفی! اور غصہ جانے دو۔ میں بھی تین گھنٹے باہر اسی لیے گزار کر آیا ہوں۔ تاکہ اپنا دماغ ٹھنڈا کر سکوں۔" میران نے اسے ٹھس بنے دیکھ کر چھوٹا سا نوالا توڑ کر اس کے ہاتھ میں پکڑایا۔

"اگر خود نہیں کھاؤ گی تو زبردستی کھلاؤں گا۔" اس کی دھمکی سن کر زوفی نے نوالہ توڑ لیا تھا۔ لیکن دماغ میں باتیں سر جواد کی چل رہی تھیں۔

"میران مجھے پسند نہیں کرتے۔ دادا نے زبردستی کی۔ ہر بندے کو اپنی پسند کی زندگی جینے کا حق ہے۔ پھر میں میران پہ کیوں مسلط رہوں؟ جبکہ میرے پاس ایک اور آپشن بھی موجود ہے۔" زوفی کے دماغ میں بس یہی کھچڑی پک رہی تھی ادھر میران اسے کچھ اور ہی بتا رہا تھا۔

"کل امید ہے رمضان کا چاند ہو جائے گا۔ میں سارا راشن خرید لایا ہوں۔ تم اٹھ کر چیزیں سنبھال لو۔ رات کو الارم لگانے کی ضرورت نہیں۔ تم یہیں سوؤ گی۔ میرے کمرے میں۔ سو میں تمہیں سحری کے وقت جگا لوں گا۔" وہ اسے صبح تک کا شیڈول بتا رہا تھا۔ اور وہ بے خیالی میں سن رہی تھی۔ اس کا ذہن کہیں اور رواں دواں تھا۔

"ان کے پاس تو کوئی ڈھنگ کی بات نہیں۔ کیوں کریں مجھ سے اچھی اچھی باتیں۔ اسی سے کریں گے۔ من پسند دلہن سے۔ جو اپنی مرضی کی لائیں گے۔ میری کیا اوقات۔؟" زوفی کا جل جل کر دل کباب ہو رہا تھا۔

"ایک سر جواد ہیں۔ ان کے پاس خوب صورت باتوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔" اس نے بے خیالی میں سوچا تھا۔ پھر سنبھل کر جیسے خود کو ملامت کرنے لگی۔

"میں کیوں سر جواد کو بار بار سوچتی ہوں۔"

اور پھر سر جواد کو سوچنے کا ایک سلسلہ ہی چل پڑا تھا۔ بلکہ وہ دونوں بہن بھائی زوفی کی سوچوں، خوابوں اور خیالوں پر حاوی ہوتے چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ان دنوں اسے کالج سے چھٹیاں تھیں۔ اس کا زیادہ قیام گھر میں تھا۔ وہ خود بھی رمضان کو انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ کھل کر خشوع کے ساتھ عبادات کا مزا لینا چاہتی تھی۔ کیا پتا، اسی بہانے سے دل کی بے سکونی کو کنارہ مل جاتا۔ اور انہی دنوں میں نائلہ اور سر جواد کی زوفی سے ہمدردیاں، لگاؤ، التفات بہت بڑھ گیا تھا۔ یوں وہ دونوں دنوں میں ہی زوفی کی زندگی کا لازم ملزوم حصہ بن گئے تھے۔

صرف چند دنوں میں ہی نائلہ نے زوفی کو ذہنی طور پر اپنے بس میں کر لیا تھا۔ وہ زوفی کے پاس روزانہ میران کی غیر موجودگی میں آ جاتی تھی۔ پھر گھنٹوں اس کے پاس بیٹھی رہتی۔ باتوں باتوں میں میران کی برائیاں کرتی۔ اس پہ ڈھکے چھپے لفظوں میں الزام لگاتی اور ہر دفعہ اٹھتے ہوئے جواد کے دل کا حال سنانا نہ بھولتی تھی۔

"جب سے اسے تمہارے نکاح کا پتا چلا ہے۔ صدمے سے اس کی حالت غیر ہے۔ اس نے تم سے دل لگا لیا تھا۔ اور پہلی محبت کا روگ عمر بھر نہیں بھولتا۔ ہائے میرا معصوم بھائی!" نائلہ کی آنکھوں میں آنسو بھر جاتے تھے تو زوفی بھی خوامخواہ خود کو چور سمجھنے لگتی تھی۔ جیسے اس سارے قصے میں زوفی کا ہی قصور ہو۔ نائلہ اور جواد کا ہر وقت زوفی سے موبائل پہ رابطہ تھا۔

اکثر نائلہ اس کے پاس آئی ہوتی تو پیچھے سے جواد بھی بلانے کے بہانے چکر لگاتا رہتا۔

دراصل وہ زوفی کے ارد گرد اپنا حصار بنا لینا چاہتے تھے۔ وہ اسے اپنی محبت' چاہت اور الفت کے شکنجوں میں جکڑ لینا چاہتے تھے۔ ان کی چکنی چکنی باتوں پہ کئی مرتبہ ناداں زوفی پھسل بھی چکی تھی۔

پھر جب نائلہ اور جواد کو یقین ہو گیا کہ زوفی ان پہ اندھا اعتماد کرنے لگی ہے۔ وہ ان کی ہر بات پہ آنکھ بند کر کے ایمان لے آتی ہے۔ وہ ان دونوں کو اپنا سب سے بڑا مخلص ہمدرد سمجھتی ہے تب ہی نائلہ نے اپنا آخری داؤ بھی چلا دیا تھا۔

زوفی جو میران کی مصروفیات اور لیے دیے رویے سے تنگ تھی۔ دل ہی دل میں ناراض بھی تھی۔ اب "شک" میں بھی مبتلا ہو چکی تھی۔ اور اس کا "شک" مضبوط کرنے والے نائلہ اور جواد ہی تھے۔ ایک طرف وہ زوفی کو بتاتے کہ میران نے باہر کسی لڑکی سے عشق چلا رکھا ہے اور دوسری طرف زوفی کو اکساتے۔ وہ اپنا رویہ میران کے ساتھ سخت روکھا اور اجنبی رکھے۔ وہ اس کے آگے پیچھے مت پھرے۔ اس کے کام بھی مت کرے۔ میران کو اہمیت نہ دے۔ کیونکہ میران اس قابل نہیں تھا۔ گھر میں زوفی کو نوکرانی بنا رکھا تھا اور باہر کسی حسینہ کو بغل میں دبائے عیاشیاں کر رہا تھا۔ زوفی کو جب اس بات کا یقین ہو گیا تو اس کے رات دن ایک عذاب میں کٹنے لگے۔ میران کی طرف سے ایسی قیامت خیز خبر نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

ان ہی دنوں زوفی پہ انکشاف ہوا کہ وہ میران سے کس قدر پیار کرتی ہے۔ اس حد تک کہ سر جواد کی چکنی چپڑی کوئی بھی خوب صورت بات اس کو اچھی نہیں لگتی تھی۔

جب سے اسے میران کی بے وفائی کا پتا چلا وہ دنوں میں کوئی ویران کملایا ہوا پھول بن گئی۔ اس کا نہ دن کٹتا تھا نہ رات۔ وہ سارا دن گھر میں بولائی بولائی پھرتی تھی۔ اور رات کو میران جب آجاتا تو غصے کے اظہار اور اس پہ اپنی خفگی جتانے کے لیے وہ کمرہ بند کر کے منہ سر لپیٹتی' سو جاتی یا منہ تکیے میں گھسا کر روتی رہتی۔ کتنا آسان تھا یہ سوچ لینا کہ وہ میران کی زندگی میں زبردستی گھسی ہے اسی طرح خود با خود اچانک نکل کر اسے آزاد کر دے گی۔ اور یہ صرف سوچ تک محدود کام تھا۔ عملی طور پر ایسا کچھ کرنا اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔ دریا پار کرنے سے کم نہیں تھا۔ اگر سر جواد اسے نہ بتاتے۔ میران کے کرتوتوں کا اسے نہ پتا چلتا تو آج زوفی پہ "محبت" والا یہ انکشاف بھی نہ ہوتا۔ وہ جتنا مرضی میران کی بے اعتنائی پہ جلتی تھی۔ وہ جتنا مرضی میران کے گلے کرتی' اس پہ ناراض ہوتی لیکن اس کی "بے وفائی" کا سن کر اندر سے زوفی ٹوٹ چکی تھی۔

اسے تو اب پتا چلا تھا وہ اس کے اولین دنوں کی چاہت تھا۔ میران اس کے من میں تب ہی آن بسا تھا جب دادا نے ان دونوں کا نکاح کیا۔ ہاں تب اسے میران کے انکار نے دھچکا پہنچایا تھا۔ اور میران کے الفاظ نے اسے بہت تکلیف دی تھی۔ وہ زوفی پہ رحم اور ترس کھاتا تھا۔۔۔ کیوں؟ آخر کیوں؟ وہ کتنا عرصہ اندر ہی اندر میران سے ناراض رہی تھی۔ پھر خود ہی مان بھی گئی۔

کیونکہ اسے لگتا تھا تب میران نے ذہنی دباؤ میں آ کر یہ الفاظ کہے ہوں گے۔ لیکن اب زوفی کو پکا یقین ہو گیا تھا۔ میران نے دادا سے جو کہا ٹھیک کہا۔ اسے اپنی من پسند لڑکی مل گئی تھی۔ وہی جو اس کی محبوبہ تھی۔ اور زوفی محض ایک نوکرانی؟ ایک خادمہ۔

جو اس کے تمام کام کرتی۔ اس کا حکم بجا لاتی۔ اسے سحریاں' افطاریاں بنا بنا کر کھلاتی اور بدلے میں میران اسے کیا دے رہا تھا؟

دھوکا؟ نفرت؟ زیادتی؟ ظلم؟ اس پہ سوکن مسلط کرنا چاہتا تھا؟

اور پھر سارا دن جائے نماز پہ روتی تڑپتی زوفی کو ایک اور "ہلا" دینے والی خبر مل گئی تھی۔ اس دن صبح ہی صبح افتاں و خیزاں نائلہ روتی ہوئی زوفی کے پاس آ گئی۔ میران آفس جا چکا تھا۔ زوفی گھر میں اکیلی تھی۔ اور اس وقت وہ سحری کے تمام برتن دھو کر گھر کی صفائی کرنے کے بعد

تسبیح پڑھ رہی تھی جب تڑپتی ہوئی نائلہ کو دیکھ کر دھک سے رہ گئی تھی۔ نائلہ کے ہاتھ میں ایک خالی لفافہ تھا۔ اور وہ زوفی کے گلے لگ کر تڑپ رہی تھی۔ اور اس کے الفاظ زوفی کے پیروں تلے سے زمین نکال رہے تھے۔

"دیکھو زوفی! میران اس کمینی لڑکی کی خاطر ہمیں کتنا ذلیل کر رہا ہے۔ یہ دیکھو' ہمیں فلیٹ خالی کرنے کا نوٹس بھجوا دیا۔ ساتھ اس نے جواد سے یہ بھی کہا۔ وہ دوسری شادی کرنے والا ہے۔ اور اپنی دوسری بیوی کو ہمارے والے فلیٹ میں رکھے گا۔ ظاہر ہے زوفی کو طلاق نہیں دے سکتا۔ لیکن اسے بسانے کا ارادہ بھی نہیں۔ زوفی! وہ ہمیں تو نکلوا ہی دے گا۔ لیکن اس گھر میں اپنی "محبوبہ" کو رکھے گا۔ وہ تم پر سوکن لا رہا ہے۔ وہ تمہیں دھتکار رہا ہے۔ اس سے بہتر ہے' اتنا ذلیل ہونے سے بہتر ہے۔ تم خود میران سے طلاق کا مطالبہ کر لو۔" نائلہ نے تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے زوفی کے سر پہ بم گرا دیا تھا۔ اور یہ آخری داؤ زوفی کے لیے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا تھا۔ اس کے بعد زوفی نے اپنی زندگی کی سب سے آخری نادانی بھی کر لی تھی۔ اس نے اپنے ٹائی ٹینک کو ڈبو ہی دیا۔

✡ ✡ ✡

رمضان کا آخری عشرہ رواں دواں تھا۔

اب بس گنتی کے روزے رہ گئے تھے۔ ایک یا دو دن میں چاند رات قریب آجاتی۔

زوفی کا ان دنوں مصلے پر زیادہ وقت گزر رہا تھا۔ میران اسے عبادات میں مشغول دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔ پھر ایک دن افطار سے پہلے میران نے زوفی سے کہا۔

"زوفی! تم اس رمضان میں پچھلی ساری عبادات کی کسر نکال رہی ہو۔ کیا پچھلے سارے "گناہ" بخشوانے کا ارادہ ہے؟" وہ اس کی شرارت کو سمجھے بغیر پہلے سے زیادہ سنجیدہ انداز میں بولتی ہوئی افطار کا سامان ٹیبل پر لگاتی رہی۔

"میں نے کون سا بڑے گناہ کیے ہیں؟" زوفی تڑخ کر رہ گئی تھی۔ "لوگ تو اتنے بڑے بڑے جرم کر کے بھی دندناتے پھرتے ہیں۔ ذرا بھی گناہ نہیں بخشواتے۔"

"لوگوں سے مراد کیا میں ہوں۔" میران نے معصومیت کی انتہا کر ڈالی تھی۔ اس دن کے بعد اس کا رویہ زوفی کے ساتھ بہتر ہو گیا تھا۔ اور پھر اس نے دوبارہ زوفی کو اشائل ان کے متعلق جتایا بھی نہیں تھا۔

زوفی نے اسے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

"جتنی بھی عبادت کر لو۔ تم اپنے شوہر کے حقوق سے نظر چرا کر بہت بڑا گناہ کر رہی ہو زوفی! اس کی بخشش ممکن نہیں۔" میران کی شرارت ہنوز برقرار تھی۔ زوفی جوس کا جگ میز پہ رکھتی ٹھٹک گئی۔

"اور آپ اپنی بیوی کے حقوق تو بہت پورے کر رہے ہیں۔" زوفی کا جواب برجستہ تھا۔ اس بار میران کو سچ مچ اچھلنا پڑا۔

"زوفی! تم تو خاصی عقل مند ہو گئی یار! ایسی سمجھداری کی بات۔۔؟ واہ جی' کیا کمال کر دیا۔" میران کا انداز بھرپور تعریفی تھا۔ زوفی ہنوز سنجیدہ ہی رہی۔

"وقت اور حالات انسان کو سمجھ دار کر دیتے ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں ریت بھرنے لگی تھی۔ نائلہ اور سر جواد کی ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ میران کا اس لڑکی کے ساتھ گھومنا۔ ہوٹلنگ' شاپنگ' محبت اور اب شادی۔؟ زوفی کا دل بھر آیا تھا۔ لیکن وہ اس کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اور ابھی تو اس دشمن جان تک اپنا آخری فیصلہ بھی پہنچانا تھا۔ آج ہی افطار کے بعد۔

"ویری گریٹ!" میران نے سراہا۔ پھر اس کی گزشتہ بات کا جواب دینے لگا۔

"کیا میں نے تمہارے حقوق پورے نہیں کیے؟ کیا میں تمہارا خیال نہیں رکھتا؟ تمہاری ہر ضرورت مجھے بن کہے پتا ہوتی ہے۔"

"ہر ضرورت پوری کرتے ہیں مگر پیار کے دو بول آپ کے پاس نہیں۔" زوفی نے دل ہی دل میں تلخی

سے سوچا تھا پھر زیر لب بڑبڑا کر رہ گئی۔

"بیوی کے حقوق صرف ضرورت تک محدود نہیں ہوتے۔" زوفی کے اگلے الفاظ نے میران کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ وہ ایک مرتبہ پھر اپنی جگہ سے اچھل گیا تھا۔ آج تو زوفی اسے حیران کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔ آج تو زوفی اس کے حواس گم کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔ اتنی گہری بات؟ اتنا حساس انداز؟ اس قدر ذو معنی جملہ' اس قدر واضح کرتا' عیاں ہوتا "حقوق و فرائض" کی طرف اشارہ۔؟ یہ زوفی تھی۔ میران کے نزدیک نا سمجھ 'نادان۔ احمق۔ بیوقوف۔

وہ دل ہی دل میں جیسے متاثر ہو گیا تھا۔ پھر اسے زوفی پہ ٹوٹ کر پیار آگیا۔ تو گویا وہ اپنے اور میران کے رشتے کی گہرائی سمجھنے لگی تھی؟ وہ اپنے اور میران کے تعلق کی حساسیت سمجھنے لگی تھی۔ وہ اپنے اس رشتے سے بندھی "ضروریات" اور "حقوق" کی باریکیاں جاننے لگی تھی۔؟ اور کیا وہ چاہتی تھی میران دو قدم چل کر خود اس کے قریب آئے؟ میران ایک دل نشین کیفیت میں گرفتار ہو کے تھوڑا سا آگے ہوا اور زوفی کے بالکل سامنے کھڑا ہو گیا۔ یوں کہ زوفی دو قدم بے ساختہ پیچھے ہٹی تھی۔ میران نے بڑی ملائمت سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری کسی ضرورت اور حقوق سے انجان نہیں زوفی! اپنے سارے فرائض سمجھتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں تمہاری دلی خوشی اور رضامندی سے پانا چاہتا ہوں۔" اس نے ایک فسوں خیز پاکیزہ لہجے کے زیر اثر بڑے خواب آگیں لہجے میں کہا تو زوفی کو ایک دم چکر سا آگیا تھا۔

"اللہ' کس قدر یہ منافق اور دوغلا انسان ہے۔" زوفی ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"پتا ہے' زوفی! تم ایک الہامی کیفیت میں میرے دل میں اتر گئی۔ ورنہ جب دادا نے میرے اور تمہارے بارے میں فیصلہ کیا تب میں کئی مہینے تک یہی سوچ سوچ کے پریشان ہوتا تھا بھلا "محبت" کے بغیر ہماری زندگی کیسے گزرے گی۔" اس کے نرم' بھیگے' میٹھے الفاظ زوفی کو اپنی سخت توہین لگے تھے۔ اچانک اسے نائلہ کی کہی باتیں یاد آنے لگیں۔ اور میں نے تو یہ بھی سنا ہے۔ میران تمہیں پیار محبت کا جھانسا دے کر ہمارے والا فلیٹ اپنے نام لکھوا لے گا۔ بلکہ اپنے بھی کہاں۔ اس کمینی محبوبہ کے نام۔ کیونکہ وہ فلیٹ تمہاری ملکیت میں ہے۔ ان دنوں وہ تم سے چکنی چپڑی باتیں کر کے اپنا مطلب ضرور نکلوائے گا۔ تم اس کی "محبت" کے جھانسے میں مت آنا۔ بس جلدی سے میران کے چنگل سے نکل آؤ۔ جواد تو اب بھی تمہارا منتظر ہے۔"

نائلہ کے الفاظ زوفی کے لیے کسی کوڑے سے کم نہیں تھے۔ وہ توہین اور ذلت کے احساس سے دھواں دھواں ہو گئی تھی۔ دل چاہتا تھا خود کشی کرے۔ خود کو ختم کرے۔ کسی اندھی کھائی میں گر جائے۔ اپنا نام و نشان تک مٹا ڈالے۔ وہ ایسے دوغلے انسان کے ساتھ رہنے پر مجبور تھی۔ جو اس کی ناک تلے "کھیل محبت" کامیابی سے چلا رہا تھا اور زوفی کے ساتھ اس کی اداکاری بھی کمال کی تھی۔ منجھے ہوئے کھلاڑی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جو ہر محاذ پر یکساں مقابلہ کریں۔ پھر ہاریں بھی نا۔ ہمیشہ جیتتے رہیں۔

زوفی کی آنکھوں میں کانچ چبھنے لگے تھے۔

"اور میں نے پتا ہے کیا سوچ رکھا تھا؟" میران کی آواز اسے سوچوں کے تلخ بھنور سے کھینچ لائی تھی۔ زوفی خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کا دل قطرہ قطرہ گرنے لگا۔ کیا اس شخص کی بے وفائی سہنے کا اس میں حوصلہ تھا؟ کیا اس شخص کو ہمیشہ کے لیے کھو دینے کا حوصلہ تھا؟ وہ کیا کرے گی؟ میران کی زندگی سے نکل کر کیا کرے گی؟ زندگی کو تنہا اکیلے کیسے شروع کرے گی؟ اس کا رواں رواں رونے لگا۔ آہ و فغاں کرنے لگا۔

اس نے زوفی کے گال پہ انگلی پھیر کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"میں نے سوچا تھا۔ ہم اس چاند رات کو اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔" میران کا دھیما پر اثر محبتوں سے گندھا لہجہ اور آواز سن کر زوفی کے اندر صف ماتم بچھ گئی تھی۔ ایسی اداکاری؟ ایسی فن کاری؟ اور پھر فیصلہ کن رات ان دونوں کے درمیان آگئی تھی۔ ایسی رات۔ جس نے ان دونوں کے درمیان ایک مرتبہ پھر ان دیکھی خلیج قائم کر دی تھی۔

میران جو بہت جلد اپنی زندگی کو ترتیب دینا چاہتا تھا۔ دادا کے کیے اس خوب صورت فیصلے کو ایک موڑ دینا چاہتا تھا۔ ایک خوب صورت کنارا دینا چاہتا تھا۔

ایک وقت ایسا تھا جب اس نے زوفی کو اس نظر سے کبھی نہ دیکھتے ہوئے دادا کے فیصلے سے اختلاف کیا تھا۔ لیکن کچھ ہی وقت گزرنے کے بعد وہ دادا کی زیرک نگاہی اور ان کے لیے محبت کا قائل ہو گیا تھا۔ دادا ان دونوں کو ایک کر کے بہترین فیصلہ کیا تھا۔ وہ دادا کا ہمہ وقت شکر گزار رہتا۔ واقعی ہی جو ہمارے بزرگ جانتے ہیں وہ نزاکتیں ہم نہیں جانتے۔

اگر ان دونوں کے درمیان یہ خوب صورت بندھن نہ ہوتا تو زوفی اور میران کا ایک گھر میں رہنا کس قدر غیر مناسب ہوتا۔

اور اسے اتنا اندازہ تو تھا ہی زوفی اسے رشتے پہ خوش ہے۔ لیکن کچھ ہی عرصے میں اسے زوفی الجھی الجھی لگنے لگی تھی۔ اس کا رویہ بے زار کن ہو رہا تھا۔ وہ اتنا خوش دکھائی نہیں دیتی تھی۔ بلاوجہ ضدیں کرتی تھی۔ بلاوجہ ناراض ہوتی۔ خفا خفا دکھائی دیتی۔

گھر میں بھی اس کی دلچسپی کم ہو رہی تھی پھر ہر بات میں میران سے اختلاف کرنا؟ وہ چونکتا کیوں نا؟۔ پھر بہت جلد ہی میران کو زوفی کی الجھنوں' بیزاریت اور غصے کی وجہ سمجھ آگئی تھی۔

گو کہ اس میں کچھ وقت لگا تھا۔ پھر بھی وہ سمجھ گیا تھا کہ زوفی کو اتنی "الجھنوں" میں پھنسانے کے پیچھے کس کا آرٹسٹک دماغ ہے یا کس کا اس تمام کارروائی کے پیچھے ہاتھ ہے۔؟" اور جیسے ہی میران ان دو لوگوں کی شاطرانہ چال تک پہنچا تب تک کافی دیر ہو چکی تھی اور نوبت آج کی رات تک آگئی۔

وہ بڑی ترنگ کے عالم میں زوفی کے لیے بے انتہا شاپنگ کر کے آیا تھا۔ اس کا عید کا جوڑا' جوتے' چوڑیاں اور بھی بہت سامان۔

اور یہ ساری چیزیں زوفی کے لیے "سرپرائز" کے طور پر خریدی گئی تھیں۔ لیکن زوفی' میران کے لیے اس سے بڑا سرپرائز سنبھال کر بیٹھی تھی۔

جیسے ہی اس نے تمام شاپر زوفی کو پکڑائے' اس نے دیکھنے کی زحمت کیے بغیر آرام سے صوفے پہ لڑھکا دیے تھے۔ اور میران اپنی اس قدر لائی گئی چیزوں کی ناقدری پہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟" زوفی نے انتہائی بے زاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ میران کا دل بہت ہی برا ہوا۔ وہ زوفی کے ابھی اتنے نارمل انداز پر حیران تھا جب اس نے مزید اسے لمحہ بھر میں ہی شاکڈ کر دیا۔

"میرے پاس کپڑوں کی کمی نہیں۔ آپ یہ کسی اور کے لیے کر لیتے۔" میران اس کے الفاظ کو تولتا کچھ پل کے لیے سوچتا رہ گیا تھا۔ پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری در آئی۔

"مثلاً" کس کے لیے؟"

"یہ تو آپ کو پتا ہو گا۔" زوفی نے آنکھیں جھکا کر امڈ آتی نمی کو چھپانا چاہا۔

"آئم سوری میں تو لاعلم ہوں۔ اگر تم کچھ جانتی ہو تو بتا دو۔" اس کا لہجہ دوٹوک قسم کا سنجیدہ تھا۔ زوفی نے روح میں اترتی اذیت سے کرلا کر میران کی طرف دیکھا۔ اس چہرے کی طرف دیکھنا کتنا محال تھا؟ اس کے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔ بالکل اندر' دل کی گہرائیوں میں۔ قطرہ قطرہ لمحہ لمحہ۔

"لوگ سب کچھ کر کرا کر انجان بن جاتے ہیں۔ جیسے بڑے معصوم ہوں۔" زوفی ایک دم چیخ گئی تھی۔ جیسے اس نے آر یا پار ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میران بھی گہرا سانس کھینچ کر سنبھل گیا۔ گویا ابلتی ہانڈی کے ابلنے کا وقت آگیا تھا۔ اور یہی بہتر بھی تھا۔ میران بھی یہی چاہتا تھا۔ وہ خود اپنا آپ عیاں کرے۔ وہ خود اپنے اندر کی بھڑاس نکالے۔ اگر کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ تھی تو شیئر کرنے سے دور ہو سکتی تھی۔

"تم کھل کر بات کر سکتی ہو زوفی! وہ سب کہہ دو۔ جس نے تمہاری من کو بوجھل کر رکھا ہے۔ تمہیں جس کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے۔" میران نے گہرا سانس کھینچ کر ملائمت سے کہا۔ اور پھر زوفی جیسے ابل پڑی تھی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ جو کرنا تھا آپ نے کر لیا۔ میں تو اپنی نام نہاد انا بچانے کے چکر میں ہوں۔ آپ اپنی من مانیاں کر لیں۔ اپنی من پسند لڑکی سے شادی رچالیں۔ یا جسے چاہیں اس گھر میں لے آئیں۔ میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ عید سے پہلے ہی۔ کیونکہ میں جان چکی ہوں۔ یہاں خالص جذبوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ یہاں کوئی آپ کی الفت' چاہت یا محبت کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ اور مجھ جیسی لڑکی سے آپ کو ملے گا بھی کیا؟ مجھ پہ تو آپ نے ترس کھایا تھا۔ رحم کیا تھا۔ اب میں خود ہی آپ کی زندگی سے جا کر آپ کو آزاد کر دیتی ہوں۔ تاکہ آپ کھل کر انجوائے کر سکیں۔"

زوفی کپکپاتے' تڑپتے لہجے میں کرلاتی میران کو گہرا سانس کھینچنے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ بڑے ہی سکون کے ساتھ اسے سنتا رہا۔ جب وہ چلا چلا کر خاموش ہو گئی اور نائلہ کی کہی ایک ایک بات دس دس لگا کر سنا دی تب میران نے گلا کھنکھار کر کہنا شروع کیا تھا۔

"میں جانتا تھا زوفی! کچھ تو ہے۔ جو تمہیں کسی الجھن میں مبتلا کرتا ہے۔ کر دیا ہے۔ کوئی تو ماسٹر مائنڈ ہے۔ جو تمہاری ذہنی رو کو جگہ جگہ بھٹکا کر الجھاتا ہے۔ کوئی تو تا جو ہمارے درمیان فاصلے بھر رہا تھا۔

پھر میں نے اس پہ اچھا خاصا ریسرچ ورک کیا تو مجھے اندازہ ہوا۔ میرے دشمن میرے اپنے قریب اتنے قریب موجود ہیں۔ اور میں آستین میں سانپ پال رہا ہوں۔ گو کہ جان تو میں گیا تھا پھر بھی میں چاہتا تھا تم خود اپنے اندر کی بھڑاس مجھ تک پہنچاؤ تب میں تمہیں اس بھیانک حقیقت کا کریہہ چہرہ دکھا سکوں۔

یہ نائلہ گو کہ بائی کریکٹر بری نہیں۔ کافی عرصہ سے ہمارے ہاں رہائش پذیر ہے۔ میں اس کو برا نہیں سمجھتا لیکن میں تمہیں ان کے۔"

میران جو اتنی لمبی تمہید باندھنا چاہ ہی رہا تھا اچانک زوفی کے چلانے پہ خاموش ہو گیا۔

"اب آپ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے سر جواد اور آنٹی پہ الزامات کی بوچھاڑ کریں گے میں جانتی ہوں۔ آپ کی ہر سازش کو جانتی ہوں۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ سب بھی جانتی ہوں۔ اس لیے برائے مہربانی آپ مجھے کچھ مت بتائیں۔ اور آخری بات' میں خود بھی بہت جلد اپنے لیے ایک فیصلہ کر رہی ہوں۔ عید سے پہلے چلی جاؤں گی۔ تب بعد میں آپ شادیانے ضرور بجا لینا اور مجھے بھی اس نام نہاد بندھن سے آزاد کر دینا۔"

زوفی نے زہر خند لہجے میں کہا اور دھپ دھپ کرتی اندر چلی گئی تھی۔ تب میران سر تھام کے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

"تم بھی نا زوفی! کبھی سمجھدار نہیں ہو گی۔ اچھا ہے۔ مجھے بتانا نہیں پڑا۔ تم خود عنقریب جان جاؤ گی اور یہی تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھنا اور کانوں سے سننا۔ نادان محبوبہ! اللہ محبوب دے مگر تم سا احمق بالکل نہ ہو۔"

وہ زیر لب بڑبڑاتا اٹھ کر اپنے اور زوفی کے مشترکہ کمرے میں آ گیا تھا۔ جہاں زوفی چادر میں منہ چھپائے گم ہو چکی تھی۔ ساری دنیا سے لاتعلق اور بے نیاز ہو کر۔

☼ ☼ ☼

اور پھر زوفی کی ساری بے نیازی اگلے دن ہوا ہو گئی۔

ہوا کچھ اس طرح۔۔۔

اگلے دن بھی زوفی سخت بے چین اور غم زدہ پھرتی رہی تھی۔ پورا دن بے زاری میں گزرا تھا۔ رات کو منہ پھاڑ کر میران سے کہہ تو دیا تھا وہ اسے آزاد کر دے' لیکن اگلا دن اسی سوگ میں گزر گیا تھا۔ اس نے کیسے میران سے کہہ دیا؟ کس طرح اتنے بھاری الفاظ منہ

سے نکال دیے؟ اور اگر میران ان الفاظ پہ عمل کر دیتا تو پھر؟

زوفی کا کیا بنتا؟ وہ کہاں جاتی؟ اس کا کیا ہوتا؟ میران کے علاوہ دنیا میں اور کون تھا؟ وہ پورا دن مصلے بچھا کر روتی رہی۔ اپنے لیے دعا کرتی رہی۔ میران کے دل کو اپنی طرف موڑ لینے کی گریہ کرتی رہی۔ اور میران اسے چھپ چھپ کر آنسو بہاتے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتا۔

"بس رو لو آج کا دن۔۔۔ کل سے رونا بند' میں بھی تمہیں آج چپ نہیں کراؤں گا۔" وہ زیر لب بڑبڑاتا باہر نکل گیا تھا۔ آج اس کا ایک دوست کی طرف افطار ڈنر تھا۔ جانے سے پہلے وہ لمحہ بھر کے لیے اس صوفے کے پاس رکا تھا' جس کے اوپر اس کا لایا ہوا عید کا جوڑا' جوتی اور چوڑیاں بے قدری سے نوحہ کناں تھے۔

میران کا دل برا ہو گیا۔

"کوئی تحفے کی ایسی ناقدری بھی کرتا ہے؟" وہ سوچتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ زوفی بھی افطار کے بعد پہلے تو اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی' پھر اچانک اسے سر جواد سے نوٹس لینے کا خیال آیا تو وہ ان کو کال کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد سر جواد نے کال ریسیو کر لی تھی۔

"زہے نصیب! آج تو میرے نصیب جاگ گئے کیسے فون کیا؟" سر جواد کا انداز سابقہ ملائم اور کچھ کچھ محبوبانہ تھا۔ اس نے بمشکل ہی لوفرانہ سمجھنے سے گریز کیا تھا۔ پھر اس نے نوٹس کے بارے میں پوچھا۔ جو سر جواد نے دینے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ سر جواد نے کہا وہ نوٹس خود بھجوا دیں گے تب زوفی مطمئن سی ہو گئی تھی۔ کیوں کہ انہوں نے کہا تھا وہ پارک میں آ جائے۔ نوٹس مل جائیں گے وہ جاتے ہوئے زوفی کو پکڑا جائیں گے۔ پہلے انہوں نے اور بیان جاری کیا۔ پھر اور۔ زوفی کو ارجنٹ ضرورت تھی۔ زوفی کچھ سوچ کر پارک میں چلی آئی تھی۔ اس وقت پارک میں اکا دکا لوگ تھے جو تھے وہ بس افطار کے بعد واک کرنے آئے تھے۔ اب تک واپس بھی جا چکے تھے۔

شام کے سائے گہرے ہوئے تو زوفی گھبرا گئی۔ سر ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ زوفی نے کچھ سوچا اور ان کی اکیڈمی کی طرف چلنے لگی۔ اسے ٹیسٹ کی تیاری کرنا تھی۔ نوٹس بہت ضروری تھے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی اپنی بے رنگ الجھی زندگی کو سوچتی' شدید اذیت کا شکار تھی۔ سوچیں بار بار بھٹک کر میران کی طرف سفر کرتیں۔

"بھلا میران سے دستبرداری آسان تھی؟ میران کی زندگی سے نکل جانا آسان تھا؟" اگر میران نے واقعی اسے اپنی زندگی سے بے دخل کر دیا تب؟ اگر واقعی ہی میران کی زندگی میں کوئی اور لڑکی ہوئی تو؟ اور یہاں سے آگے تک سوچنا بہت محال تھا۔ کبھی کبھی اپنی ناسمجھی میں انسان بڑے عجلت بھرے فیصلے کر لیتا ہے پھر بعد میں اس پہ پچھتاتا ہے۔ جیسے زوفی پچھتا رہی تھی' لیکن گزرا وقت ہاتھ میں آنا مشکل نہیں تھا۔

وہ اکیڈمی کے قریب پہنچ گئی تو اس کی سوچوں کو بریک لگ گئے تھے۔ پھر جیسے ہی وہ سر جھٹک کر ہال کے دروازے سے ہوتی ہوئی آفس کی طرف آئی۔ بے ساختہ اس کے قدم اندر سے آتی آوازوں پہ زنجیر پا ہو گئے تھے اور پھر زوفی کو لگا جیسے زماں و مکاں گھومنے لگے ہیں۔ یا آسمان اس کے سر پہ آ گرا ہے یا زمین ہی پیروں تلے سے نکل گئی ہے۔ اندر سے نائلہ کی آواز آ رہی تھی۔

"بس تم دیکھ لینا۔ عید سے پہلے زوفی کٹے ہوئے پھل کی طرح ہماری جھولی میں آ گرے گی۔ تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا ہے۔ اسے میران سے گوڈے گوڈے بدگمان کر چکی ہوں۔ اب تک تو اس نے میران سے طلاق کا مطالبہ بھی کر لیا ہو گا۔" نائلہ بڑے جوش بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ پھر جواد کی پرجوش آواز آئی۔

"آپا! تم کو مان گیا ہوں۔ جس کام میں ہاتھ ڈالتی ہو۔ اسے پورا کر کے ہی دم لیتی ہو۔ جیتی رہو یار! دل خوش کر دیا۔ بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے۔ کرائے کے دھکے کھا کھا کر تنگ آ چکے ہیں۔ کرائے کے مکانوں کو تو میں بچپن سے لے کر اب تک' دیکھ دیکھ کر اوب گیا ہوں۔

اوپر سے مالک مکان کا ہوا الگ۔ اب دیکھنا، زوفی آئے گی تو ساتھ اپنا فلیٹ بھی جہیز میں لائے گی۔ تم بھی کرائے کے جھنجھٹ سے بچ جاؤ گی۔ زوفی کو پڑھا لکھا کر نوکری پہ لگاؤں گا۔ کمائے اور ہمیں بھی کھلائے۔ بوجھ نہ بنے ہم پہ۔ ویسے ایک ٹکٹ میں کئی مزے ہوں گے۔ ظالم صورت اور سیرت میں لاجواب ہے۔" جواد کا کریہہ، مکروہ قہقہہ باہر تک لپکتا ہوا آرہا تھا۔

زوفی سے مزید سننا محال ہوگیا۔ وہ بڑے ضبط، تحمل اور انتہائی اعتماد سے جانے کس طرح خود کو جوڑتی، سنبھالتی اپنے اندر ان لوگوں کو منہ توڑ جواب دینے کی طاقت بھرتے ہوئے اندر ہینڈل گھما کر داخل ہوگئی تھی۔ اس طرح کہ وہ دونوں بہن بھائی زوفی کو غیر متوقع دیکھ کر بوکھلاتے ہوئے اپنی اپنی جگہ سے اٹھے اور گھبرا کر بول پڑے تھے۔

"زوفی! تم۔۔۔" ان دونوں کے زوفی کو دیکھ کر حواس سلب ہوگئے۔ زوفی نے لمحہ بھر کے لیے سوچا تھا۔ پھر گہرا طویل، پرسکون سانس بھرا اور کچھ دیر کے لیے ہلکا سا مسکرائی جبکہ وہ دونوں سابقہ بوکھلاہٹ میں کہہ رہے تھے۔

"زوفی! تم کب آئیں؟" ان دونوں کی جیسے جان پہ بن آئی تھی۔ دروازے پہ آئی لکشمی ہاتھ سے پھسلتی نظر آرہی تھی۔ وہ اس مسافر کی طرح گھبرائے، بوکھلائے، پریشان حال کھڑے تھے جنہوں نے اپنا سارا سامان بیچ سفر میں لٹا دیا ہو۔ وہ کسی ہارے مسافر یا جواری کی طرح خالی ہاتھ کھڑے تھے۔ اپنا وقار، عزت اور زوفی کے دل سے تم ترانسیت کو اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ چکے تھے۔

زوفی دھیمے پر اعتماد انداز میں ہلکا سا مسکرائی تھی۔ بڑی تلخ، زہریلی اور طنزیہ قسم کی مسکراہٹ تھی۔

"جب آپ لوگ اپنی پلاننگ کو انجوائے کر رہے تھے۔۔۔" زوفی کا اتنا کہنا قیامت ہوگیا تھا۔ نائلہ لپک کر زوفی کے پاس آئی تھی۔ ہاتھ مسلتا جواد بھی بھاگتا ہوا زوفی کے قریب ہوا تھا۔ زوفی آرام سے ان دونوں کو دیکھتی ہوئی ذرا فاصلے پہ کھڑی ہوئی۔ جیسے ان دونوں سے اسے "گھن" آرہی ہو۔

"زوفی! ہماری بات سنو۔۔۔ ہمارا یہ مطلب نہیں تھا۔ زوفی پلیز۔۔۔ وضاحت کا موقع دو۔۔۔" وہ دونوں منتیں کرتے ہوئے زوفی کے پیچھے لپک کر آرہے تھے۔ زوفی نے کہا بھی تو محض اتنا۔۔۔

"میں تو صرف آپ کو بتانے آئی تھی۔ عید سے پہلے ہمارا فلیٹ خالی کر دیں۔۔۔ میران کے ایک فرینڈ کی فیملی ابراڈ سے آنے والی ہے۔ وہ ہمارے فلیٹ میں اسٹے کریں گے اور یہ بھی کہ کل ہر صورت ہمیں فلیٹ خالی چاہیے۔۔۔ ویسے ہم عید منانے ناردرن ایریاز کی طرف جائیں گے۔ میں اور میران۔۔۔" اس کا ایک ایک لفظ ان دونوں کو حواسوں پہ بم گرا رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے منصوبوں کو ڈوبتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ پھر زوفی بڑے نپے تلے قدم اٹھاتی واپسی کی راہوں پہ گامزن ہوگئی تھی۔ وہ بھی اس صورت میں جب آنکھوں کے فرش خشک اور صاف تھے۔ اس کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا تھا۔ وہ اپنی کیفیت پہ حیران تھی یعنی اسے ذرا بھی دکھ یا افسوس نہیں ہوا تھا۔

وہ کیوں اتنے کمینے، خود غرض اور مادیت پرست لوگوں کے لیے آنسو بہاتی؟ اسے اب سمجھ آرہی تھی۔ میران اسے نائلہ اور جواد کے کس قسم کے کرتوت اور کس قسم کی "اصلیت" دکھانا چاہتا تھا۔ وہ زوفی کی آنکھوں سے کیسا پردہ ہٹانا چاہتا تھا؟

اور پھر وہ خود ہی کیوں خاموش ہوگیا تھا؟ تاکہ زوفی خود اپنی عقل سے ان لوگوں کی "کمینگی" کو کھوج سکے۔ ان لوگوں کے کریہہ چہروں کو دیکھ سکے۔

اور آج اس نے ان دونوں کے خود غرض چہروں سے نقاب ہٹتے دیکھ لیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی کہ رمضان کے بابرکت مہینے میں اللہ نے اسے بڑے نقصان اور کسی بڑی تکلیف سے بچا لیا تھا۔

رمضان کے مہینے میں اللہ کا یہ زوفی پر خاص "انعام" تھا۔ وہ جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

میران پارک کے ایک کونے میں کھڑا اسے "واپس" آتا دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ وہ اپنے گھر کی طرف آتے رستوں پہ واپس آرہی تھی۔ ہر اچھے اور برے شخص کی پہچان کر کے۔ میران کے لیے بھی یہ مقام شکر تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے آئینے میں ناقدانہ اپنا جائزہ لیا اور مسکرا دی۔ زندگی میں اس قدر تیز رفتاری سے وہ کبھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ صرف دس منٹ کے اندر اندر۔۔۔ اور وہ چاہتی تھی میران کے آنے تک وہ "چاند رات" کے لیے تیار ہو جائے۔ یوں پورے دس منٹ بعد وہ لاؤنج میں موجود تھی۔ اس حالت میں کہ میران اندر داخل ہوتا ہوا چیخ پڑا تھا۔

"ارے۔۔۔ یہ کیا؟ عید کا جوڑا آج ہی پہن لیا۔۔۔؟" میران اسے اتنا تیار شیار دیکھ کر بمشکل اپنے حواس سلامت رکھ پایا تھا اور پھر اس کی "تیاری" بتا رہی تھی۔ زوفی صاحبہ ہر قسم کی بدگمانی سے دور شفاف دل کے ساتھ میران کو "خوش آمدید" کہنے والی تھیں اور یہ میران کے لیے بہت بڑی کامیابی اور خوشی کی بات تھی۔ یعنی زوفی کا مطلع ابر آلود ہونے سے بچ گیا تھا۔ اور وہ ہر قسم کے بدگمانی والے الزامات سے بری ہو چکا تھا۔ زوفی اسے چیختے دیکھ کر خفگی سے تڑخ کر بولی تھی۔

"میں اتنی پیاری لگ رہی ہوں۔ مجھے نہیں دیکھا۔۔۔ جوڑے کی فکر پڑ گئی۔ اور نہ لے کر دینا پڑے۔" میران اس شکوے پہ بے ساختہ ہنس کر اس کے قریب آگیا۔

"تم پہ سو جوڑے قربان۔۔۔ میران کی جان! بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔ خاص میرے لیے تیار ہوئی۔ یقین مانو، میں بے ہوش ہونے والا ہوں۔" وہ دلکشی سے مسکراتا زوفی کو اپنے دل سے بہت قریب لگا تھا۔ زوفی بے ساختہ اس کے کندھے سے آلگی اور یہ بڑا بے اختیارانہ عمل تھا۔ پھر جب بھیگی پلکوں کے ساتھ وہ اپنی غلطیوں اور نادانیوں کا اعتراف کرنے لگی تو میران نے بے ساختہ اس کے گلابی ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"اوں۔۔۔ ہوں، بالکل بھی نہیں۔۔۔ جو ہوا۔ جس نے جو بھی کیا۔ اپنے عمل کو بھگت لیا۔ سو تمہیں پریشان ہونے کی یا ایکسپلین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ تمہاری نیت اور دل صاف تھا۔ باقی خود غرضوں نے اپنی سزا پالی۔ یہاں سے اتنا "ذلیل ہو کر نکل رہے ہیں۔۔۔ آئندہ زندگی میں بھی پچھتاتے رہیں گے۔۔۔" وہ ملائمت سے زوفی کے شفاف گال کو چھو کر بولا تو زوفی میران کے اتنے پیارے دل پہ پوری طرح نثار ہوتی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ میران اس کی ہنسی کے جھرنوں میں ہمیشہ کے لیے کھو گیا تھا۔

اور باہر "چاند رات" بھی مسکرا رہی تھی۔۔۔

☼ ☼